کلام امجد میں تلمیحات

مقالہ برائے

ایم فل (اردو)

مقالہ نگار

قاضی محمد عبدالحی

ایم۔اے (عثمانیہ)

نگراں

ڈاکٹر میر محبوب حسین

ایم ایل آئی ایس مدراس، ایم فل سیاسیات عثمانیہ

پی ایچ ڈی اردو (حیدرآباد)

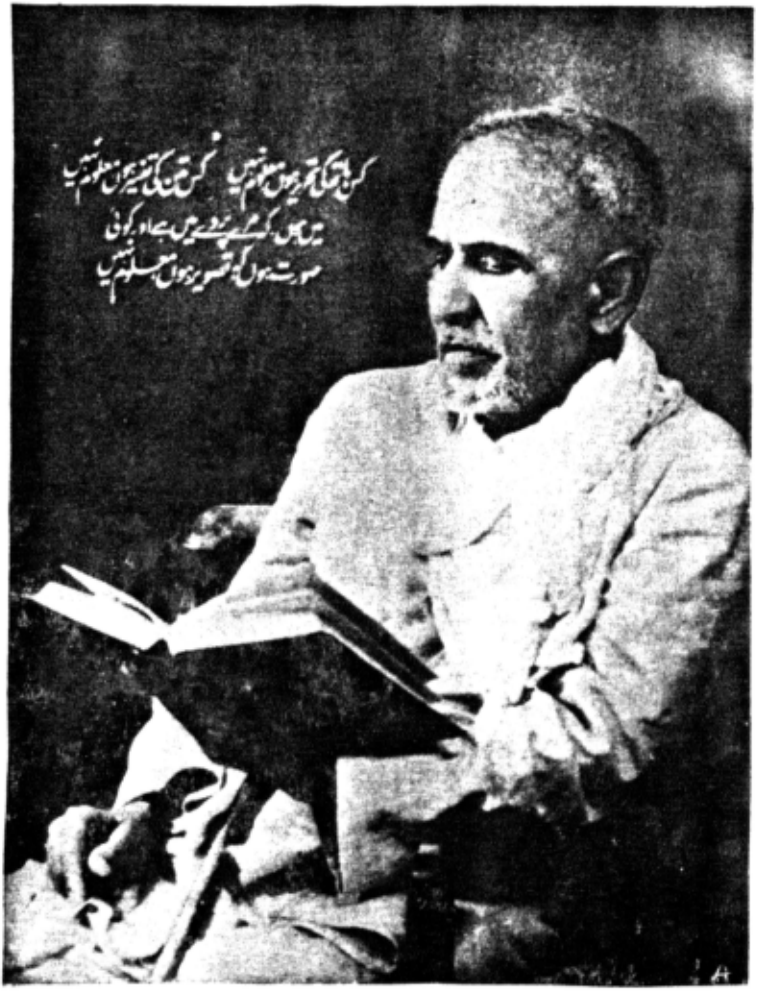
ریڈر، شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد

شعبہ اردو

اسکول آف ہومانٹیز

یونیورسٹی آف حیدرآباد - 500046

۲۰۰۰ء



حضرت امجد جواب سرمد،

فہرست

۱ پیش لفظ 8

باب اول تلمیح کیا ہے

۱ تلمیح کی تعریف و تشریح 11

۲ تلمیح کے الفاظ کا استعمال 12

۳ الفاظ کیا ہیں 18

۴ تلمیح اور اصطلاح کا فرق 18

۵ تلمیحات کی اہمیت 20

۶ تلمیحات کے ماخذ 21

۷ اردو زبان کی تلمیحات 23

۸ عام تلمیحات 25

۹ وہ تلمیحیں جن کی بنیاد فرضی قصوں پر ہے 29

باب دوم امجد کی سوانح، سیرت، شاعری، دفتری کاموں کا اجمالی جائزہ

(الف) سوانح

۱۰	خاندانی پس منظر	33
۱۱	پیدائش	33
۱۲	بچپن	34
۱۳	تعلیم	34
۱۴	پہلی شادی	35
۱۵	بنگلور میں ملازمت	35
۱۶	قیامت صغریٰ (دو دھوئی کی طغیانی)	37
۱۷	دوسری شادی	39
۱۸	حج بیت اللہ	41
۱۹	دوسری بیوی جمال النساء کی رحلت	41
۲۰	تیسری اور چوتھی شادی	42
۲۱	ملازمت صدر محاسبی اور سبکدوشی	42
۲۲	قیام گاہیں	43
۲۳	جشن الماس (امجد کی خدمات کے اعتراف میں)	43
۲۴	انتقال	45

(ب) اخلاق و سیرت

۲۵ شکل 48

۲۶ سادگی پسندی 48

۲۶ ملاقاتیوں سے مخلصانہ رویہ 51

۲۷ گھریلو زندگی 52

۲۸ مذہبی شعار 54

۲۹ بیعت 55

(ج) شاعری

۳۰ آغاز شاعری 56

۳۱ امجد کا نظریہ شاعری 58

۳۲ امجد کی رباعیاں اور تصوف 59

۳۳ امجد کی نعت نگاری 61

۳۴ امجد کی نظم گوئی 62

۳۵ قصیدہ گوئی 63

۳۶ تضمین نگاری 64

۳۷ غزلوں میں تصوف 64

(د) نثری کارنامے

۳۸	جمال امجد	66
۳۹	گلستان امجد	67
۴۰	صبح امجد	67
۴۱	پیام امجد	68
۴۲	حکایات امجد	68
۴۳	میاں بیوی کی کہانی	69
۴۴	ایوب کی کہانی	69
۴۵	مکتوبات امجد	70

باب سوم کلام امجد میں تلمیحات

۴۶	الست بربکم	71
۴۷	ابجد	78
۴۸	افلاطون	79
۴۹	اُحَدُ	81
۵۰	انی وجھت	87
۵۱	ابو ایوب	91

۵۲	اسم اعظم	95
۵۳	استقلال بلال	100
۵۴	بہشت	106
۵۵	بار امانت کی گرانی	109
۵۶	برق طور	113
۵۷	تاج محل	115
۵۸	جبل ثور	117
۵۹	حجاج کی ہجو	123
۶۰	حور اور طور	128
۶۱	خلیل اللہ	131
۶۲	خاتم انبیاء	134
۶۳	ڈارون	138
۶۴	ساقی کوثر	142
۶۵	سنگ اسود	145
۶۶	شیطان	149
۶۷	شب قدر	152

۶۸	شیخ سعدی کی اشرفی	156
۶۹	شہاب ثاقب	157
۷۰	شجر طور	160
۷۱	عصائے کلیم	163
۷۲	فرعون	165
۷۳	قارون	170
۷۴	کولمبس	174
۷۵	کعبہ	175
۷۶	لاحول	177
۷۷	لیلیٰ قیس	179
۷۸	مثل حسین سر قلم ہوتا ہے	184
۷۹	معراج	188
۸۰	مدینہ	195
۸۱	مجنون	205
۸۲	نار سقر	207
۸۳	نوح	212

۸۴	لحن داؤد	214
۸۵	ہما	215
۸۶	ہجرت	217
۸۷	یا مزمل	224
۸۸	یا ایت انعل ما تومر	226
	باب چہارم مجموعی جائزہ	
۸۹	مجموعی جائزہ	230
۹۰	کتابیات	236 تا 234

پیش لفظ

پڑھنے لکھنے کا ذوق مجھے الحمدللہ ابتدا ہی سے رہا ہے۔ ایم۔ اے کرنے کے بعد تحقیق کے فن کو سیکھنے اور تحقیقی کام کرنے کے شوق میں ہی ہوئی حیدرآباد یونیورسٹی میں داخلہ کے بعد یونیورسٹی کے قابل اساتذہ کرام کے آگے زانوے ادب تہہ کر کے اس فن کو سیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ اسی دوران موضوع کے انتخاب کا مسئلہ بھی پیش آیا اور میرا موضوع "کلام امجد میں تلمیحات" طے ہوا مقالہ کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا باب کا عنوان "تلمیح کیا ہے" رکھا گیا ہے اس میں تلمیح کی تعریف و تشریح، تلمیح اور اصطلاح کا فرق، تلمیحات کی اہمیت اور تلمیحات کا ماخذ وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب دوم کا عنوان امجد کی سوانح سیرت شاعری و نثری کارناموں کا اجمالی جائزہ رکھا گیا ہے۔ اس میں امجد کے سوانحی حالات، سیرت و اخلاق شاعری اور نثری کارناموں کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے

باب سوم کا عنوان "کلام امجد میں تلمیحات" ہے۔ راقم الحروف کو

امجد کے مکمل کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلا ہے کہ انہوں نے اپنے رباعیوں میں ہی تلمیحات کا استعمال کیا ہے - اور دیگر اصناف سخن میں دو ایک جگہ ہی تلمیحات کا استعمال کیا گیا ہے - اس باب میں کلام امجد میں استعمال کی گئی ہر تلمیح کو ایک عنوان دیا گیا ہے اس تلمیح سے متعلق واقعہ کو اجمالی طور پر پیش کیا گیا ہے - پھر امجد کے ان اشعار کو جن میں وہ تلمیح استعمال کی گئی درج کر کے تبصرہ کیا گیا تاکہ ہر استعمال شدہ تلمیح کا ایک مکمل نقشہ سامنے آسکے -

چوتھے باب میں مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے اس کے بعد کتابیات درج کی گئی - سب سے پہلے میں اللہ رب العزت کا شکر گذار ہوں کہ اس نے تحقیق کی دشوار گذار راہوں کو سر کر کے مقالہ کی تکمیل کروائی میں شکر گذار ہوں جناب محمد ظہیر الدین صاحب نائب صدر اقبال اکیڈیمی حیدرآباد اور ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال اسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کا جنھوں نے مجھے کلام امجد فراہم کیا میں شکر گذار ہوں ادارہ ادبیات اردو پنجہ گٹہ ، نظام ٹرسٹ لائبریری ، عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری ، اندرا گاندھی میموریل لائبریری

یونیورسٹی آف حیدرآباد کا جہاں سے مجھے مقالہ کا مواد دستیاب ہوا میرے اساتذہ کرام کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ خاص طور سے پیر و مرشد محمد انور الدین صاحب صدر شعبہ اردو جنہوں نے ہمیں نہ صرف طریقۂ تحقیق اور متنی تنقید پڑھایا بلکہ تحقیق کے کام میں مفید مشوروں سے نوازا۔ آپ سے تحصیل علم کے بعد فن تحقیق کی تکمیل آگہی ہو گئی اور مقالہ کے تمام مراحل آسان ہو گئے۔

شعبہ کے سینئر ریڈر ڈاکٹر رحمت یوسف زئی نے ہمیں عملی تنقید کی تعلیم دی جس سے شعر کی تفہیم تحسین اور تنقید میں ہمیں بہت مدد ملی اس کے علاوہ ان کی شفقتیں اور مفید مشورے ہمیں حاصل رہے۔ ڈاکٹر حبیب نثار صاحب گیسٹ فیکلٹی شعبہ اردو بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے چند ایک کتابوں کی فراہمی کی۔ میرے نگراں ڈاکٹر میر محبوب حسین نے مجھے بھرپور وقت دیا اور ابتدا سے تکمیل مقالہ تک ہر مرحلہ میں میری رہنمائی کی میں آپ کے حق میں دعاگو ہوں۔

محترمہ بصالت النساء آفس اسسٹنٹ شعبہ اردو کا بھی میں ممنون و مشکور ہوں۔

حیدرآباد۔ قاضی محمد عبدالحی

اپریل سنہ ۲۰۰۰ء

"باب اول" تلمیح کیا ہے

تلمیح کیا ہے

تلمیح کی تعریف و تشریح

تلمیح ایک واحد لفظ ہے اور اس کی جمع تلمیحات ہیں

فیروز اللغات میں تلمیح کے معنیٰ اس طرح دئے گئے ہیں "کلام میں کسی حصہ کی طرف اشارہ کرنا"[1]

محمود نیازی نے تلمیح کی تعریف اس طرح کی ہے "تلمیح کے معنیٰ اصل میں اچٹتی نگاہ ڈالنے کے ہیں۔ تلمیح وہ لفظ یا الفاظ ہیں جن کے ذریعہ کلام کسی واقعہ یا قصے کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے"[2]

انہوں نے تلمیح کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس مختصر سے لفظ یا جملہ کو سن کر زیادہ سے زیادہ لوگ اس قصے کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں

---

[1] فیروز اللغات (جدید اردو) نیا ایڈیشن مولفہ مولوی فیر الدین علی ایجوکیشنل ہاؤس سنہ 1970ء ص ۲۱۲

[2] محمود نیازی، "تلمیحات"۔ لکھنؤ نسیم بک ڈپو اپریل سنہ 1963ء ص ۶۔

تلمیح کی غرض وغایت کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنیٰ سمجھانا - تلمیح کے لغوی معنیٰ بھی کسی چیز پر اچٹتی نظر ڈالنا یا کسی طرف اشارہ کرنا ہے

مولانا وحید الدین سلیم نے بھی تلمیح کی تعریف اس طرح لکھی ہے کہ اہل ادب میں کی اصطلاح میں تلمیح اس صنعت کا نام ہے جس سے نظم یا نثر میں اشارے کے طور پر کسی افسانے - قصے - واقعے - اور احادیث و آیات کا اجمالاً اس طرح ذکر کیا جائے کہ بغیر اس کے جانے ہوئے کلام کا لطف حاصل نہ ہو سکے کلام میں مختصراً دو ایک لفظ کسی واقعے یا قصے کی طرف اشارہ کے لئے رکھ دئے جاتے ہیں جس سے فوری طور پر کل واقعہ کی طرف ذہن دوڑ جاتا ہے اس لئے اس کا نام "تلمیح" رکھا گیا جس کے معنیٰ ہیں کسی چیز کی طرف اچٹتی نگاہ ڈالنا یا اشارہ کرنا[1]

تلمیح کے الفاظ کا استعمال

تلمیح کا استعمال نہ اتنا مجمل ہو کہ کلام معمہ بن کر رہ جائے اور نہ اتنا مفصل اور طولانی کے شعر داستان امیر حمزہ بن جائے اگر

---

[1] افادات سلیم - مولانا مولانا وحید الدین سلیم مکتبہ جامعہ نئی دہلی فروری ۱۹۸۳ء ص ۹۱

تلمیح بطریق احسن استعمال کی جائے تو کلام میں لطف پیدا ہوتا ہے ورنہ قصے اور افسانے دلکش ہونے کے باوجود بے لطفی محسوس ہوتی ہے

تلمیح کا استعمال واقعے کی طرف حقیقتاً ایک قسم کا لطیف اشارہ ہوتا ہے اور جو واقعہ چند سطروں میں بیان ہو سکتا ہے وہ شعر کے صرف ایک لفظ میں سمٹ کر قطرہ میں دریا کا مصداق بن جاتا ہے۔

انہوں نے تلمیح کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہماری قدیم تاریخ رسم و رواج اوہام و عقائد مشاغل و جنگ و جدال کے واقعات سے ہزاروں قصے کہانیاں اور داستانیں وابستہ ہیں۔ ان کو جاننے سے ہم کو اپنی معاشرتی۔ تمدنی۔ سماجی اور مذہبی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے ان میں جو تبدیلیاں اور اصلاحات ہوئی ہیں ان کا علم حاصل ہوتا ہے اور پہلے لوگوں کے تجربات سے فائدہ پہونچتا ہے۔ ان طول طویل واقعات کو دہرانے سے چونکہ وقت ضائع ہوتا ہے اس لئے ایسے مختصر اشارے ایجاد کر لئے گئے ہیں جو ان قصے کہانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان اشاروں کو علم بدیع کی اصطلاح میں تلمیح کہا جاتا ہے۔

انسان نے تہذیب تمدن کی منزلیں آہستہ آہستہ طے کی ہیں جب اس

نے اس کائنات ارضی پر قدم رکھا تو اظہار مطلب اور گفتگو سے
بالکل ناواقف تھا سارے کام اشاروں میں ہوتے تھے۔ ان اشاروں
نے رفتہ رفتہ گفتگو کی شکل اختیار کرلی اور انسانی شعور کی ترقی کے ساتھ
زبان نے موجودہ شکل اختیار کرلی۔ ہزاروں سال کے اس طویل سفر میں
جو معاشرتی۔ سماجی۔ تمدنی تبدیلیاں ہوئیں ہیں ان سے بے شمار قصے
وابستہ ہیں تاریخ۔ مشاغل۔ رسم و رواج۔ عقیدے اوہام و جنگ
جدل سے وابستہ ہزاروں کہانیاں اور داستانیں موجود ہیں۔ ان
قصے کہانیوں اور افسانوں کی طرف جو لفظ کہاوت اور ضرب الامثال
اور محاورے اشارے کرتے ہیں۔ ان کی ادبی اصطلاح میں تلمیح کہا جاتا
ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطالب کی ادائیگی تلمیح کا اصل
مقصد ہے۔ طویل قصوں اور داستانوں کو بار بار دہرانے سے
وقت ضائع ہوتا ہے اس لئے ایسے مختصر اشارے ایجاد کرلئے گئے
جن کو سنتے ہی ہمارے سامنے پورے واقعے کی مکمل تصویر آجاتی ہے
تلمیحی اشاروں کی بنیاد مشہورات پر ہوتی ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ
ان کا ثبوت عقلاً و نقلاً موجود ہو۔ ان کا مقصد تو صرف اتنا ہوتا ہے

کہ جن واقعات کی طرف اشارہ کیا جائے ان کا پورا قصہ تلمیح سنتے ہی
سمجھ میں آجائے تلمیح کے واقعات اور قصے چاہے تاریخی ہوں یا غیر تاریخی
حقیقی ہو یا فرضی گزرے ہوئے ہوں۔ یا آئندہ پیش آنے والے ہوں ان کو
اسی طرح سے ذہن میں محفوظ ہونا چاہیئے۔ جیسے ان کی شہرت ہے تلمیح
سے ایام جاہلیت کی زندگی کا نمونہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح تاریخی حالات
و واقعات کو محفوظ رکھنے کی آرزو کلام شعرا کے پردے میں چھپا کر پوری کی
گئی تھی۔ تاریخی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو تلمیح کے صفت حروف و الفاظ
کے وجود میں آنے سے ہزاروں سال پہلے بھی موجود تھی اور دنیائے ادب میں یہ
قدیم اور پہلی صنعت کہی جا سکتی ہے۔ اہرام مصر کے کتبے جو جانوروں کی تصویروں
کی صورت میں آج بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ واقعات و حالات ظاہر
کرنے کی ضرورت کوئی نہ کوئی تصویر بنا کر پوری کی جاتی تھی اب موجودہ زمانے
کے لحاظ سے چاہے اسے شاعرانہ اور ادبی تلمیح نہ کہیں مگر اس طرح کی
پرانی تصویر اور نقش کوئی نہ کوئی واقعہ اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے اور اس
زمانے میں جب حروف ایجاد ہی نہیں ہوئے تھے یہی تصویریں ان کے جذبہ دل اور
ادب و شاعری کی تصویریں کہی جا سکتی ہیں۔ دور قدیم کے بعد تصاویر اور نقوش

کے بجائے حروف تہجی کے ہر حروف سے ایک نہ ایک تلمیح منتخب کرلی گئی تھی مثلاً (الف) سے بیل کا گلہ اور سینگ مراد لیتے تھے (ب) کی صورت مکان کی چہار دیواری کا احاطہ کئے ہوئی تھی اور (ج) اونٹ کا سر ظاہر کرتا تھا اس طرح الف سے ی تک معنیٰ اور صورت میں مطابقت کے باعث کسی نہ کسی واقعہ یا تصویر کی یادگار ہیں۔ حروف کے بعد لفظوں کے تلفظ سے بھی واقعات وابستہ ہونے لگے جن کی مثالیں اردو میں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً ایک چھوٹا سا پودا ہوتا ہے جس کی پتیاں چھونے سے مرجھا جاتی ہیں اور اس چھونے اور مرجھانے کی وجہ سے اس کا نام "چھوئی موئی" ہوگیا۔

قفل ابجد سے بھی ایک تلمیح وابستہ کی گئی ہے لہذا قفل ابجد کہنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ابجد کیا چیز ہے۔ ۲۸ حروف سے بنے آٹھ کلموں۔ ابجد ہوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ ثخذ۔ ضظغ۔ کو ابجد کہتے ہیں مذکورہ آٹھ کلموں کے تعلق سے مشہور ہے کہ ان قدیم قبائل عرب کے نام ہیں جو کتابت کے موجد اور ماہر تھے۔ کاغذ کی ایجاد سے بیشتر عرب میں سفید پتھر پر کتابت ہوتی تھی اور ہندسوں کے مٹ جانے سے اکثر اختلافات ہوتے ہوتے رہتے تھے۔ اس لئے علماء ہیئت نے ہندسوں کے بجائے حروف استعمال

کرنا شروع کر دیا اور ہر حرف کے لئے ہندسہ مقرر کر لیا گیا جیسے الف کا ایک (ب) کے دو (ج) کی تین اور (د) کے چار اور دس کے بعد ہر حرف کے دس دس نمبر بڑھنے لگے (ک) کے بیس (ل) کے تیس (م) کے چالیس اور (ن) کے پچاس اس طرح سو کے بعد ہر حرف کے سو سو نمبر بڑھ گئے (ر) کے دو سو (ش) کے تین سو اور (ت) کے چار سو اور آخر میں (غ) کے ایک ہزار رفتہ رفتہ ان حروف سے الفاظ اور الفاظ سے ایسے کلمے مرتب کئے جانے لگے جن کے حروف کے بجائے ہر حرف کا ہندسہ جوڑ کر سورتہ یا عمارت کا زمانہ معلوم کرنے کا طریقہ ایجاد ہوا۔

تلمیح عام طور پر مرکب الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے مفرد الفاظ سے کوئی تلمیح متعین نہیں ہوتی تاوقتیکہ وہ کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ نہ کرے ضرب الامثال سے بھی عام طور پر تلمیح کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ تلمیح تو کسی خاص اور متعین واقعہ پر مبنی ہوتی ہے جب کہ ضرب الامثال اس سے عاری ہوتے ہیں اس کی بھی بنیاد واقعات پر ہی ہوتی ہے۔ لیکن کسی مخصوص واقعہ پر نہیں جو ضرب الامثال مخصوص اور متعین واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں وہ تلمیح ہیں۔

الفاظ کیا ہیں

وہ آوازیں جن سے ہم اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں یا ان کے ذریعہ اشیاء کی طرف اشارہ کرتے ہیں الفاظ کہلاتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں اپنے خیالات یا اشیاء کو بتلانے کے لیے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں سے اشارے کیے جاتے تھے۔ اور ان کو اپنے دل کی بات بتانے میں کئی دقتیں پیش آتی تھی۔ جب عقل انسان نے ترقی کی الفاظ ایجاد ہوئے تو یہ دقتیں دور ہوگئیں ایک خاص آواز سے ایک خاص خیال یا چیز یا کام کی طرف اشارہ ہونے لگا۔ ترقی کا یہ دور نہایت ہی اہم تھا جس میں زبان کا سنگ بنیاد رکھا گیا

تلمیح اور اصطلاح کا فرق

زبان کے ابتدائی دور میں چھوٹے چھوٹے سادہ خیالات اور معمولی چیزیں بتانے کے لیے الفاظ بنائے گئے۔ رفتہ رفتہ انسان نے ترقی کا قدم آگے بڑھایا لمبے لمبے قصوں خیالات و واقعات کی طرف خاص خاص لفظوں کے ذریعہ اشارے ہونے لگے۔ جہاں وہ الفاظ زبان پر آئے فوراً وہ قصہ یا واقعہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ ایسا ہر اشارہ تلمیح کہلاتا ہے پھر علمی

مسئلوں یا اصولوں کے بتانے کے لئے بھی خاص خاص الفاظ متعین کر لئے گئے ان میں سے ہر لفظ اصطلاح کہلاتا ہے۔

دنیا کی جو زبانیں ترقی یافتہ ہیں ان میں تلمیحیں اور اصطلاحیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ طویل قصوں اور کہانیوں اور علمی مسئلوں اور اصولوں کے بار بار بیان کرنے میں جو وقت ضائع کرنا پڑتا ہے ان تلمیحوں اور اصطلاحوں نے بچا دیا۔ جو حال اصطلاحوں کا ہے وہی تلمیحوں کا۔ طوفان نوح کہتے ہی وہ تمام طوفانی واقعات آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں جو حضرت نوح کے زمانے میں پیش آئے تھے۔ صور اسرافیل کا لفظ زبان پر لاتے ہی وہ تمام ہیبت انگیز واقعات دل میں بھرنے لگتے ہیں جو آغاز قیامت کے وقت پیش آئیں گے ان میں سے پہلا اشارہ گذرے ہوئے واقعات کے ایک خوف ناک منظر کو یاد دلاتا ہے دوسرا اشارہ آنے والے واقعات کے ایک ہولناک نظارے کو آنکھوں کے سامنے لاتا ہے بلاغت کے معنی یہ ہیں کہ کم سے کم الفاظ سے زیادہ سے زیادہ معنی سمجھ جائیں یہ بات جس قدر تلمیحات میں پائی جاتی ہے الفاظ کی دیگر اقسام میں نہیں پائی جاتی۔ ضمیر اسم کی قائم مقام ہوتی ہے وہ اس لئے وضع کی گئی ہے کہ بار

یا رکسی اسم کو دہرانہ نہ پڑے اور سننے والے کو ناگوار نہ ہو تلمیحات کو امد تلمیحات کے ساتھ اصطلاحات کو بھی ۔ ضرورت ہر مبنی سمجھا جائے

تلمیحات کی اہمیت

اگر کسی زبان کی تلمیحات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان سے اس زبان کے بولنے والوں کے گذشتہ واقعات اور تاریخ پر روشنی پڑتی ہے ۔ ان کے مذہبی عقائد اور ہام ان کی رسوم اور مشاغل معلوم ہوتے ہیں ۔ کسی قوم کی تمدنی منزلیں اس کی زبان کی تلمیحات کے مطالعہ سے نظر کے سامنے آجاتی ہیں ۔ فرضی قصوں میں جن اشخاص کے خاص حالات اور خاص صفات کی تصویر کھینچی گئی ہے آجکل ان سے بھی تلمیح کا کام لیا جاتا ہے ۔ فرضی قصوں کی تلمیحات سے اس قوم کے انشاء پردازوں کی قوت تخیل کا سراغ ملتا ہے انسانی اخلاق اور انسانی معاشرت کے اس قدر پہلو ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہر پہلو کے لئے ایک نمونہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے مصنفین نے ان نمونوں سے تلمیحات کا کام لیا ہے ۔

امریکہ کا مشہور انشاء پرداز آسبورن نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تلمیحات ہماری قوم کے قدموں کے نشان ہیں جن پر پیچھے ہٹ کر

ہم اپنے باپ دادا کے خیالات۔ مزعومات۔ اوہام رسوم ورواج اور واقعات وحالات کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ [1]

غرض تلمیحات شائستہ قوموں کی ادبیات کی جان ہیں ان معنی خیز اشاروں سے وہ شاعری اور ادب میں بلاغت کی روح پھونکتی ہیں۔ تلمیحات ہماری قوم کے گذشتہ حالات وخیالات کے اشارے ہیں اسی غرض سے کہ حافظہ پر بار نہ پڑے تلمیحات کی فرہنگیں مرتب کی گئی ہیں

تلمیحات کے ماخذ

تلمیحیں کہاں سے لی جاتی ہیں اگر اس پر غور کریں تو حسب ذیل ماخذ معلوم ہوں گے

۱۔ دیوتاؤں کے قصے کہانیاں
۲۔ مذہبی قصے مذہبی عقائد کی کتابیں
۳۔ تاریخی واقعات
۴۔ عام فرضی قصے وافسانے
۵۔ شعراء کی نظمیں۔ خاص کر وہ نظمیں جن میں قصے بیان کئے گئے ہوں

---

[1] افادات سلیم مولفہ مولانا وحید الدین سلیم۔ مکتبہ جامعہ نئی دہلی فروری ۱۹۹۳ء ص ۱۰۶

۶۔ ڈراما یا ناٹک کی کتابیں

انگریزی زبان و ادب میں جو تلمیحات مستعمل ہیں ان کے ماخذوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حسب ذیل ذخیروں سے حاصل کی گئی ہیں مقدس کتاب تورات و انجیل وغیرہ کا مجموعہ۔ یہودیوں کی مذہبی کتاب۔ یونان کے دیوتاؤں کے قصے۔ شیکسپیر کے قصے۔ کوہر وغیرہ کے افسانے کولرج ورجل۔ ہومر۔ ملٹن۔ پوپ۔ ورڈس ورتھ وغیرہ کی نظمیں۔ تاریخ انگلستان تاریخ یورپ وغیرہ

ان کے علاوہ مشہور نظموں یا مضمون کی سرخیاں بھی تلمیح کے طور پر مستعمل ہیں مثلاً کتابوں کی جنگ۔ مینڈکوں اور چوہوں کی جنگ۔ شاعروں کی جنگ مختلف بادشاہوں۔ شاعروں۔ حکیموں اور مختلف مقامات کے وصفی نام بھی تلمیح کے طور پر لائے گئے ہیں۔ جو شاعروں اور انشاء پردازوں نے وضع کئے ہیں ان سب کے علاوہ الف لیلیٰ جو مشرق کی تصنیف کی ہوئی ہے تلمیحات کا ایک بڑا ماخذ ہے۔ کوئی زبان شاید ایسی نہیں ہے جس میں اس عجیب اور دلکش کتاب کا ترجمہ نہ کیا گیا ہو۔ یہ کتاب اس قدر مشہور اور اس قدر مقبول و ہر دل عزیز ہوئی ہے کہ شاید کوئی خواندہ شخص اس کے مطالعہ سے محروم نہیں رہا۔ یہی

وجہ ہے کہ اس کتاب کے قصوں سے سیکڑوں تلمیحات لی گئیں اور بے تکلف بول اور لکھی اور عام طور پر سمجھی جاتی ہیں۔

اردو زبان کی تلمیحات

ہمارا اصل مقصد اردو زبان کی تلمیحات پر بحث کرنا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں

۱۔ ادبی تلمیحات ۔ یعنی وہ تلمیحیں جو اردو نظم و نثر میں مستعمل ہیں

۲۔ عام تلمیحات ۔ یعنی وہ تلمیحیں جو عام طور سے بول چال میں داخل ہیں۔

اردو زبان کی ادبی تلمیحیں کہاں سے آئیں اس کا پتہ چلانے کے لئے اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ جب اسلام نے عرب سے نکل کر گرد و پیش کے ملکوں کو فتح کیا ان میں سے ایک ایران بھی تھا۔ تمام ایران مذہب اسلام کو قبول کر چکا تھا ایران کے جدید ادب میں مذہبی روح دوڑنے لگی عربی ادب کے چمکتے ریگستان کھجوروں کے جھنڈ۔ اونٹ۔ مار دھاڑ۔ لوٹ مار کے قصے۔ بہادرانہ عشق کے کارنامے سب کافور ہو گئے۔ مگر انبیاء کے قصے۔ فرشتوں کے تذکرے جنت و دوزخ اور قیامت کے نظارے ایرانی ادب پر محیط ہو گئے۔ عرب کے پہاڑوں سے کوہ طور کا ذکر آتا رہا۔

ادبی تلمیحات کے قسم اول میں سب سے پہلے انبیاء کے متعلق تلمیحات

ہیں جن کو اہل اسلام عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آدم کی پیدائش کے بعد فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم کو سجدہ کریں شیطان نے انکار کیا اور ملعون ہوا خدا نے آدم کی پیدائش سے پہلے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں زمین پر اپنا ایک نائب اور خلیفہ بھیجنا چاہتا ہوں۔ فرشتوں نے کہا آدم کی اولاد زمین پر خون بہائے گی وہ خلیفہ بنانے کے قابل نہیں۔ خدا نے فرمایا تم میری مصلحتوں سے آگاہ نہیں ہو۔ آدم پیدا ہوئے فرشتوں کے ساتھ ان کا امتحان ہوا جن باتوں کا جواب آدم سے بن پڑا فرشتے ان کا جواب نہ دے سکے آدم کی اولاد جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے ان سب کی روحیں حاضر کی گئیں خدا نے ان سے پوچھا الست بربکم کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں قالو بلیٰ یعنی انہوں نے کہا بے شک تو ہمارا رب ہے۔ اس قصے کی تلمیحات میں۔ بلیٰ۔ قالو بلیٰ۔ الست۔ روز الست۔ عہد الست وغیرہ الفاظ آتے ہیں۔ حضرت نوح نے دراز عمر پائی اس کی تلمیح میں عمر نوح کا لفظ آتا ہے۔ اس طرح عاد عرب۔ ثمود عرب حضرت یونس۔ حضرت ایوب۔ حضرت داؤد۔ حضرت سلیمان۔ حضرت یوسف حضرت یعقوب۔ حضرت ادریس۔ حضرت الیاس۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ۔ زمانہ انبیاء کے متعلق تلمیحیں آتی ہیں۔ اس کے ساتھ فرشتوں

کا ذکر بھی تلمیح میں آتا ہے۔ جیسے جبرئیل۔ میکائیل۔ عزرائیل۔ اسرافیل کی تلمیح انہیں کے نام سے منسوب ہیں۔

عام تلمیحات

عام بول چال میں جو تلمیحات مستعمل ہیں ان میں سے بعض تاریخ سے لی گئی ہیں بعض ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی عقائد اور اوہام سے ماخوذ ہیں۔ بعض ان دونوں قوموں کی خاص خاص رسموں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ بعض کی بنیاد فرضی قصوں پر جو عام طور سے مشہور ہیں۔ ان میں سے بعض محاوروں کی شکل میں ہیں اور بعض مثلوں کے پیرایہ میں ایسے محاوروں کو ہم تلمیحی محاورے اور ایسی مثالوں کو ہم تلمیحی مثالیں کہتے ہیں۔ ماخذوں کے لحاظ سے یہ تلمیحیں ملی جلی ہیں ہندو مسلمان اس میں برابر کے شریک ہیں۔ جیسے ڈھائی دن کی بادشاہت اڑھائی دن کی بادشاہت تھوڑے دنوں کی حکومت ناپائیدار حکومت مراد ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس واقعہ سے آگاہ ہیں جب ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر دریا میں کود پڑا تو ایک نظام سقہ نے اس کو ڈوبنے سے بچایا تھا اور اس کے صلہ میں اس نے ہمایوں بادشاہ سے ڈھائی دن کی حکومت مانگی تھی۔ نظام نے اس قلیل دور حکومت میں چمڑے کا گول روپیہ جاری کیا تھا۔

اس طرح اورنگ زیبی ایک طبی تلمیح ہے ۔ یہ ایک سودا وی مادہ کا پھوڑا ہے جو اکثر کئی سال تک ہرا رہتا ہے ۔ جب اورنگ زیب عالمگیر نے گول کنڈے کا محاصرہ کیا ۔ آب و ہوا کی خرابی سے اکثر اہل لشکر کو پھوڑے نکل آئے باوجود علاج کے وہ مدت تک ہرے رہے اس پھوڑے کو اورنگ زیبی کہتے ہیں ۔ دیر لہ اینٹ کی مسجد بنانا ایک تلمیحی محاورہ ہے ۔ رادھا کو یاد کرو ایک محاورہ ہے جس کے معنیٰ ہیں جاؤ اپنا کام کرو ۔ چھپا رستم ایک محاورہ ہے جس کے دو معنیٰ لئے جاتے ہیں ایک تو شریر آدمی جو ظاہر میں غریب نظر آتا ہے دوسرے وہ جو کامل فن ہو اور وقت پر اس کا ہنر ظاہر ہو ۔ افلاطون جو یونان کا مشہور حکیم ہے کشتی کے فن میں کامل تھا اس بناء پر جہاں زور آور اور زبردست کے معنیٰ میں رستم کا لفظ بولا جاتا ہے ۔ (وہ ہیں افلاطون) اور افلاطون کا بچہ وغیرہ الفاظ بھی رائج ہیں ۔ سکھا شاہی کے لفظ سے بے انصافی اور کس میرسی کا زمانہ مراد لیتے ہیں یہ تلمیح سکھوں کے عہد حکومت کی یاد دلاتی ہے ۔ اس طرح نادر شاہی سے بد انتظامی اور افراتفری کا زمانہ مراد لیتے ہیں تانا شاہی اس نازک مزاجی کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ابوالحسن تانا شاہ والی گول کنڈہ میں تھی ۔ تخت طاؤس شاہ جہاں کی تلمیح ہے ۔ ہلاکو ظالم

اور سفاک آدمی کو کہتے ہیں۔ یہ تلمیح ہلاکو خاں کی طرف اشارہ کرتی ہے جو چنگیز خاں کا پوتا تھا۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے یہ ایک تلمیحی مثل ہے

بعض تلمیحیں جو عقائد اور اوہام سے ماخوذ ہیں۔ جب کوئی سفر پر جاتا تو مسافر کے بازو پر روپیہ وغیرہ باندھ دیا جاتا ہے۔ جب وہ عافیت سے منزل مقصود کو پہونچ جاتا ہے تو غریبوں میں وہ روپیہ بانٹ دیا جاتا ہے اس کو امام ضامن کا روپیہ کہتے ہیں۔ اندر کا اکھاڑا اس مقام کو کہتے ہیں۔ جہاں ناچنے گانے والی حسین عورتیں جمع ہوں۔ بجلی کی تلوار اس تلوار کو کہتے ہیں جو بہت کاٹ کرنے والی ہو۔ جاہل مسلمان عورتیں بہت سے پیروں ولیوں اور پیریوں کا نام لیتی ہیں مثلاً لال پری۔ سبز پری۔ زرد پری۔ سیاہ پری۔ آسمان پری۔ دریا پری۔ نور پری شیخ سدو۔ شاہ مدار۔ پیر غیب۔ چہل ابدال جس کے دم سے دنیا قائم ہے جو عورت یہ کام کرتی ہے۔ وہ جمعرات کے دن خوشبو زیور اور کپڑے پہن کر بیٹھ جاتی ہے جب کوئی پری یا روح اس کے جسم پر آتی ہے تو وہ اپنا سر ہلانے لگتی ہے دوسری عورتیں اپنی اپنی حاجتیں اس کے سامنے پیش کرتی ہیں وہ ہر ایک کے سوال کا جواب دیتی جاتی ہے۔ اس طریقہ کو حاضرات کرنا کہتے ہیں۔ اس تلمیح میں ان کے خاص عقیدے کی طرف اشارہ ہے جو ذکر کیا گیا۔ بعض ہندو بھی

اس طرح کسی دیوی دیوتا کو بلاتے ہیں۔ ہندوؤں نے پاتال کے سات طبقہ قرار دئے ہیں۔ ہر طبقہ میں ایک زندہ مخلوق آباد ہے پاتال تک کی خبر لانا اس تلمیح سے ایک محاورہ بنایا گیا۔

بھوت وہ روحیں ہیں جو جسموں سے جدا ہو کر دنیا میں بھٹکتے پھرتے ہیں مرد کی روح بھوت اور عورت کی روح بھوتنی کہلاتی ہے۔ بھوت لوگوں کے سروں پر آتے ہیں یہ عام خیال ہے۔ بھوت چڑھنے کے ساتھ بھوت اتارنا بھی محاورے میں آگیا۔ سفلی عمل جادو کی وہ قسم ہے جو شیاطین اور جنات کی مدد سے عمل میں لائی جاتی ہے۔ خدا کے اسماء دو قسم کے مانے جاتے ہیں ایک جلالی جن سے غصہ اور جلال کا اظہار ہوتا ہے۔ دوسرے جمالی جن سے رحم و لطف نمایاں ہے ہندوؤں کے نزدیک لچھمی دولت کی دیوی ہے لچھمی گھر میں آنا ایک محاورہ ہے یہ ایک تلمیحی مثل ہے۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک جن پیدا ہوتا ہے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے اس کو ہمزاد کہتے ہیں۔

بعض تلمیحیں خاص خاص رسموں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مسلمانوں میں خاص کر عورتوں میں دستور ہے کہ نکاح کے بعد دولہا دولہن کو آمنے سامنے سر سے سر ملا کر ایک سرخ دوپٹہ اڑھا کر بیٹھا دیتی ہیں ان دونوں کے بیچ میں ایک

آئینہ اور قرآن شریف سے سورہ اخلاص نکال کر رکھ دیتی ہیں اس رسم کو آرسی مصحف کہتے ہیں آئینہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ دولہا دلہن ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ لیں سورہ اخلاص سے غرض یہ ہے کہ میاں بیوی میں ہمیشہ اخلاص باقی رہے۔ دیوا اٹھان ہندوؤں کی ایک رسم ہے سوئمبر ہندوؤں کی ایک قدیم رسم کا نام ہے رات جگا ایک رسم کی تلمیح ہے تارے دکھانا ایک اور رسم ہے جو ایام زچگی میں ادا کی جاتی ہے۔ بیوی کی صحنک ایک اور رسم ہے۔ اکثر شادی یا کسی مراد کے پر آنے پر عورتیں حضرت فاطمہ کی نیاز دلواتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی رسمیں ہیں۔ مثلاً بسم اللہ۔ چھٹی۔ چوتھی۔ منگنی۔ مہندی۔ ہری۔ ساچق چالیسواں وغیرہ۔

وہ تلمیحیں جن کی بنیاد فرضی قصوں پر ہے:۔

ٹیڑھی کھیر ایک محاورہ ہے جسے عام آدمی بولتے ہیں ٹیڑھی کھیر مشکل کام کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک اندھے کو کسی شخص نے پوچھا حافظ جی کھیر کھاؤ گے اس نے کہا کھیر کیسی ہوتی ہے اس نے کہا سفید پوچھا سفید کیسی کہا جیسے بگلا۔ اس نے پوچھا بگلا کیسا ہوتا ہے۔ اس نے ہاتھ ٹیڑھا کر کے دکھایا کہ ایسا اندھے نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے ٹٹول کر کہا یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے ہم

سے نہیں کمائی جائے گی ۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا یہ ایک تلمیحی مثل ہے
نیبو نچوڑ ناخواندہ مہمان کو کہتے ہیں ۔ نیکی کر اور دریا میں ڈال اس کہاوت
کا مطلب یہ ہے کہ بے دریغ نیکی کر اس بات کی پرواہ نہ کر کے اس کا انعام
بھی ملے گا یا نہیں ۔ شیخ سعدی کی اشرفی اس ناشائستہ بات کو کہتے ہیں
جس کا بدلہ کہیں نہ کہیں مل کر رہے گا ۔ بھینگی بلی بتانا ایک تلمیحی محاورہ ہے
جس کے معنی بے جا عذر کرنا جون پور کا قاضی محاورے میں احمق آدمی کو کہتے ہیں
شیخ چلی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو دور از کار منصوبوں اور نجویزوں سے
لال بجھکڑ اس شخص
تعلق رکھتا ہے ۔
کو کہتے ہیں جو ہر بات کا جواب دینے جو ہر معاملہ میں رائے دینے پر
تیار رہتا ہو اصل میں احمق ہوتا ہے مگر اپنے تئیں سب سے زیادہ
عقلمند خیال کرتا ہے ۔ شیخ چلی کی طرح لال بجھکڑ بھی لوگوں نے ایک فرضی
شخص تراش لیا ہے ۔ اس قسم کی تمام روایتیں جو حماقت پر مبنی ہوں
اس کی طرف منسوب کر دی ہیں ۔ یک نہ شد دو شد ۔ ایک تلمیحی مثل
ہے اس موقع پر بولی جاتی ہے جب کہ ایک امر عجیب کے بعد دوسرا امر
عجیب واقع ہو ۔ اس مثل کی طرح ایک اور فارسی تلمیح اردو میں

مستعمل ہے گربہ کشتن روز اول اس مثل کا مطلب یہ ہے کہ رعب پہلے ہی دن جمانا چاہیے۔ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی یہ بھی ایک تلمیحی مثل ہے مطلب یہ ہے کہ امیر غریب کے برابر نہیں۔

آخر میں دو باتوں کی طرف توجہ خصوصیت کے ساتھ مبذول کرنا مقصود ہے پہلی بات تو وہی ہے جس کو شروع مضمون میں بیان کر چکے ہیں یعنی انسانی زندگی انسانی اخلاق اور انسانی معاشرت کے اس قدر پہلو ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہر پہلو کے لیے ایک نمونہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے فلاں آدمی اس قسم کی زندگی بسر کرتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ یا تو ایک خاص نمونے کے انسان کی صحیح تصویر قصے کے پیرایہ میں کھینچیں یا پھر دیگر مصنفین جب اس نمونے کے شخص کا ذکر کریں تو اس قصے کے نمونے کو تلمیح بنا کر اس سے کام لیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہماری زبان کے مشہور قصوں میں کسی خاص نمونے کے انسان کا ذکر کیا گیا ہے اس نمونے کو تلمیح کا لباس پہنا دیں۔ اگر دن قوموں کی تاریخ دیومالا اور ادبیات ہمارے گرد و پیش آباد ہیں اور جن سے رات دن ہمارا سابقہ ہے۔

تلمیح کی بنیاد اکثر مشہور رات پر ہوتی ہے نہ کہ صرف حقائق پر
اس لئے جن باتوں سے تلمیح اخذ کی جاتی ہے ان پر یہ اعتراض کرنا سراسر
حماقت ہے کہ ان باتوں کا ثبوت عقلاً یا نقلاً نہیں ہوتا جب ہر تلمیح کسی
خیال کے ادا کرنے کا ایک سانچہ ہے اور یہ سانچہ اس لئے کام میں لایا
جاتا ہے کہ اس خیال کی تصویر سننے والوں کی نظر کے سامنے آجائے تو ضروری
ہے کہ تلمیح کی بنیاد جس بات پر رکھی جائے وہ لوگوں میں مشہور ہو اس بات کی
مطلق پروا نہیں کرنا چاہئے کہ اصلی اور واقعی بات کیا ہے کیونکہ جو بات
اصلی اور واقعی ہے۔ وہ مصنفین کے دماغ میں ہے مثلاً سورج کو بعض ہندو ایک دیوتا مانتے ہیں ان کے ادبیات میں یہ بات بیان کی جاتی ہے
کہ اس کے آگے سات گھوڑے جوتے جاتے ہیں بس اسی خیال پر تلمیح
کی بنیاد رکھنی چاہئے۔ [1]

---

[1] افادات سلیم مصنف مولانا وحید الدین سلیم مکتبہ جامعہ نئی دہلی فروری ۱۹۸۳ء

[2] تلمیحات۔ مصنف محمود نیازی نسیم بک ڈپو لکھنؤ ایڈیشن ۱۹۷۳ء

نوٹ۔ اس مضمون کی تیاری میں مذکورہ بالا دونوں کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔

32.A

"باب دوم"، امجد کی سوانح، سیرت، شاعری۔ و نثری کارناموں کا اجمالی جائزہ

خاندانی پس منظر

نام احمد حسین۔ امجد تخلص ان کے والد صوفی سید عبدالرحیم علی ابن سید کریم حسن تھے۔ صوفی صاحب کے ذریعہ معاش کا کسی کو علم نہیں ہے آخری زمانے میں کسی مسجد میں امامت کیا کرتے تھے انہوں نے چار شادیاں کیں تھی امجد کی والدہ صوفیہ ان کی چوتھی بیوی تھیں۔ جو حسن آباد مضافات شہر حیدرآباد کی تھیں ان کی چار بیویوں سے اکیس اولادیں ہوئیں سوائے امجد کے سب پیدائش کے بعد فوت ہو گئے۔

پیدائش

امجد نے اپنی والدہ سے سنا تھا کہ وہ نواب سالار جنگ کی وفات ۱۳۰۰ھ کے پانچ چھ سال بعد حیدرآباد دکن میں ۷ رجب کو قریب صبح بروز دوشنبہ پیدا ہوئے صوفی سید عبدالرحیم کا عقد ان کی والدہ سے ہوئے تین برس ہی گذرے تھے کہ ان کے چلہ کے دن ان پر فالج کا اثر ہوا اور وہ آناً فاناً فوت ہو گئے۔ امجد کے لئے والدہ کے سوا کوئی سہارا نہ تھا انہوں نے بڑے لاڈ و پیار سے پالا اور شوہر کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو بیچ بیچ کر گذارا کیا۔

بچپن

امجد کے پیدا ہونے سے پہلے ان کے یہاں ایک لڑکی ہوئی تھی جو چند دنوں بعد ہی وفات پا گئی۔ والدہ اس لڑکی کی یاد میں تڑپا کرتی تھیں ان کی یاد کو رکھنے کے لئے امجد کو لڑکی بنائے رکھا تھا برسوں کانوں میں بالیاں گلے میں مالا ڈال رکھی روزانہ بڑے اہتمام سے بالوں میں کنگھی کر کے چوٹی ڈالی جاتی آنکھوں میں کاجل ہونٹوں پر مسی لگائی جاتی۔ وہ ننھی سی عمر میں سولہ سنگھار کئے نین مٹکائے لہنگا پھرکاتے پھرتے تھے۔ ماں بلائیں لیتی تھی۔ صدقہ ہوتی جاتی تھیں بار بار منہ چومتی یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا کہ وہ مدرسہ جانے کی عمر کو پہونچے۔

تعلیم

باوجود انتہائی پیار و محبت کے والدہ کی خواہش تھی کہ وہ پڑھ لکھ کر قابل ہوں عزت و وقار کی زندگی گذاریں۔ تعلیم کے مقابلہ میں وہ ہر سختی کو روا رکھتی تھیں جتنی وہ تعلیم پر توجہ دیتی تھیں۔ امجد اتنا ہی اس سے دور بھاگتے تھے۔ سارا دن شرارتوں سیر و تفریح میں گذرتا۔ وہ اسکول جانے کے بہانے اِدھر اُدھر پھرا کرتے تھے۔ امجد کی تعلیم کی ابتدا گھر میں ہوئی قرآن مجید ختم کیا اور پھر ۱۳۱۶ھ میں مدرسہ نظامیہ کے مڈلیہ خواروں کے زمرے میں شامل ہوگئے۔ چھ سال تک روزانہ دال چاول کھاتے

اور ہفتہ وار گوشت کی ایک ایک بوٹی پر لڑتے ۔ مولوی سعید الدین سہارنپوری مولوی عبدالوہاب بہاری سے "ملا جلال" تک تعلیم پائی کچھ عرصہ روزانہ دس میل کی مسافت طے کر کے پیدل مولا کے پہاڑ جاتے وہاں ایک استاذ سے تحفۃ الیمن پڑھتے ۔ مرزا محبوب علی بیگ سے فارسی پڑھی منشی اور منشی فاضل کے امتحانات پنجاب سے کامیاب کئے ۔ ان کا بیان ہے کہ منشی فاضل کے امتحان میں لاجواب جواب لکھا تھا ۔ تین گھنٹے میں علاوہ نثر کے اپنے ہی پچاس شعر لکھ ڈالے شاعری سے لگاؤ طالب علمی کے زمانے ہی سے پیدا ہوا تھا ۔

پہلی شادی

سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں ان کی شادی شیخ میرانی صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے ایک لڑکی اعظم النساء پیدا ہوئیں اس نسبت سے وہ اپنے نام کے ساتھ ابوالاعظم لکھا کرتے تھے ۔

بنگلور میں ملازمت

شادی کے دو سال بعد کسی بات پر ماں سے ناراض ہو کر گھر سے نکل گئے حیدرآباد چھوڑ کر بنگلور کی راہ لی وہاں ایک مشن اسکول میں پڑھانے لگے ۔ کچھ دنوں بعد یہ ملازمت ترک کر دی اور ایک پارسی ڈاکٹر کو فارسی پڑھانے پر مامور

ہوگئے۔ کسی بات پر ناگواری ہوئی اور پڑھانا ترک کر دیا۔ ایک دن وہ نا نظم تعلقات کے پاس پہونچے اور انہیں اپنی اسناد دکھلائیں اور اپنی قابلیت کا اس طرح اظہار کیا کہ اسی دن سٹی ہائی اسکول بنگلور میں پندرہ روپیہ ماہوار پر ان کا تقرر کر دیا گیا۔ ان کو وہاں تمام عیش و عشرت و آرام میسر تھا اس کے باوجود ماں کی یاد ستانے لگی تو سب کچھ چھوڑ کر وطن لوٹ آئے۔

حیدرآباد واپسی

حیدرآباد میں عزیز مرزا سے امجد متعارف ہوئے انہوں نے امجد کو محکمہ تعلیمات میں ملازمت دلوادی عزیز مرزا کی سفارش سے مدرسہ دارالعلوم میں بیس روپیہ ماہوار پر مدرس ہوگئے۔ نصیر الدین ہاشمی ان کے شاگرد تھے وہ لکھتے ہیں

"اس وقت امجد تیس بتیس سال کے ہنس مکھ جوان تھے۔ لمبا قد چھریرا بدن گندمی رنگ ڈاڑھی صاف ہمیشہ سفید شیروانی ترکی ٹوپی حیدرآبادی دہرا پائجامہ اور سلیم شاہی جوتا پہنتے تھے۔ امجد صاحب اس وقت عام طریقوں کے خلاف لڑکوں کو مارتے نہیں تھے بلکہ ہمیشہ شفقت اور محبت سے تعلیم دیتے تھے۔ البتہ ذہین لڑکوں کی طرف ان کی توجہ زیادہ ہوتی تھی"[1]

---

[1] نصیر الدین ہاشمی۔ مضمون۔ حضرت امجد کی گھریلو زندگی۔ مشمولہ ارمغان امجد ص ۳۰۹

قیامت صغریٰ (رود موسیٰ کی طغیانی)

اس ملازمت کے دوران انہوں نے ایک مکان بھی خرید لیا تھا مالک مکان ہوئے مہینہ گذرا تھا کہ ۱۳۲۶ھ ۱۹۰۸ء میں رود موسیٰ میں قیامت خیز طغیانی آئی ان کا مکان رود موسیٰ کے کنارے سا تھ گز دور اس جگہ واقع تھا جہاں اب ہائی کورٹ کی عمارت ہے شعبان ۱۳۲۶ھ میں موسیٰ ندی کا پانی بڑھنے لگا رات ہوتے ہوتے ان کے مکان میں گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر گیا رات ۸ بجے جب خطرہ بڑھ گیا وہ اپنی والدہ، بیوی اور بچی کو ساتھ لے کر محفوظ جائے پناہ کے لئے نکلے۔ قریب ہی ایک مستحکم عمارت تھی اس کے دیوان خانے میں رہنے کو جگہ ملی۔ وہ عمارت بھی موجوں کے تھپیڑوں کی زد میں تھی۔ چند گھنٹوں میں دیواریں شق ہونے لگیں یہ لوگ وہاں سے نکل کر کچھ دور گئے تھے کہ اس عمارت کی چھت بھی منہدم ہو گئی پانی کے ریلے کا مقابلہ کرتے آگے بڑھتے رہے اور ایک چبوترے پر پہونچے جو اس وقت سطح آب سے کسی قدر بلند تھا۔ رات دو بجے وہ بھی زیر آب ہو گیا۔ پانی بڑھتا گیا یہاں تک کہ کمر سے اونچا ہو گیا۔ خطرہ ہوا کہ پانی کی موج بہا نہ لے جائے۔ بہتر جائے پناہ کی تلاش میں قافلہ نے قدم آگے بڑھایا ابھی چبوترے سے اترے ہی تھے کہ سیل رواں نے اپنی زد میں لے لیا

ایک دوسرے سے جدا بہتے چلے گئے۔ امجد کے قدم کسی مکان کے چھپر پر پڑے اسی سہارے کو غنیمت جانا۔ ماں بیوی اور بچی کو کھینچ کر وہاں لے آئے باقی رات وہاں گذاری۔ صبح کے وقت چھپر ڈگمگایا سب کے قدم اکھڑ گئے اور وہ پانی کے ریلے میں الگ الگ بہنے لگے۔ امجد صاحب کی جیب میں کچھ روپیے تھے ان کو خیال آیا کہ ان روپیوں کو کنارے پھینک دوں تو کسی کے کام آجائیں گے زور سے روپیے پھینکے تو خود بھی جگہ سے جھک گئے اور ایسے میں ایک درخت کی شاخ پر ان کا ہاتھ پڑا اسے پکڑے ہوئے ماں اور بیوی اور بچی کو دیکھتے رہے ان کی بیوی ان کی اور ماں کی آنکھوں کے سامنے ڈوب گئیں بچی دادی کی پیٹھ پر بندھی ہوئی تھی۔ ایک موج نے ان کو بھی ڈبو دیا اس سانحہ جانکاہ کا اثر امجد پر یہ ہوا کہ درخت کی شاخ ہاتھ سے چھوٹ گئی اور موجوں کے رحم وکرم پر بہتے چلے گئے۔ دھارے نے انہیں وکٹوریا ہاسپٹل زچگی خانے کے پاس پہونچا دیا وہاں بیمار عورتوں نے ہمت کی اور انہیں پانی سے نکالا ساحل پر پہونچ کر انہوں نے طغیانی کا نظارہ کیا صدہا جوان بچے بوڑھے مرد اور عورتیں بہتے چلے جا رہے تھے۔ زندگیاں موجوں کے آگے بے بس تھی۔ طغیانی نے تین جانوں کا نذرانہ ہی نہیں لیا مکان اور

اثاث البیت بھی چھین لیا وہ تنہا خانہ برباد غم والم کے دریا میں غوطے کھا رہے تھے ان کے ایک شاگرد نے انہیں نہایت ہی عزت اور محبت سے اپنے گھر رکھ کر رہنے سہنے کھانے پکانے غرض تمام جھگڑوں سے بچائے رکھا

دوسری شادی

مولوی سید نادرالدین ان کے حالات سے خوب واقف تھے ان کی قابلیت اور شرافت کے قائل تھے ان کی بڑی صاحبزادی کی عمر تقریباً ۳۰ سال تھی والد نے ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی تھی۔ مولوی سید نادرالدین کے اصرار سے امجد نے ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ روز جمعہ جمال النساء سے عقد کر لیا۔ جہیز میں کچھ ملا ہو یا نہیں مولوی صاحب کی یہ دعا ضرور ملی کہ خدا و رسول کی محبت زندگی کا اثاثہ ثابت ہو شادی کے بعد وہ کوچہ فتح اللہ بیگ کی مسجد کے خانہ باغ کے مکان میں رہنے لگے ابھی ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ مولوی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ان کی بیوہ اور چار لڑکیوں اور ایک لڑکے کا بار بھی ان پر آ پڑا۔ جب کہ ان کی تنخواہ صرف بیس روپیے ماہوار تھی۔ ان حالات میں بھی انہوں نے صبر و شکر اور قناعت کے ساتھ زندگی بسر کی انہوں نے اپنی اہلیہ کا نیا نام سلمیٰ رکھ لیا تھا۔ جمال النساء سے ان کی ازدواجی زندگی مثالی تھی وہ

حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کی بھی مالک تھیں۔ علمی مباحث اور شوہر کی شاعری سے دلچسپی رکھتی تھی۔ تقریباً چھ سال خوشی سے گذرے وہ اپنی اہلیہ کی ذہنی اور روحانی تربیت میں ہمہ وقت مصروف رہتے دن رات بحث مباحثہ اور نکتہ دانی و نکتہ سرائی میں گذر جاتے ۹ صفر ۱۳۴۰ کو وہ خواب سے بیدار ہوئیں تو ان کا حال یک لخت بدل چکا تھا۔ امجد لکھتے ہیں

"اس تاریخ کے بعد سلمیٰ سلمیٰ نہیں رہی جن کو علم پڑھایا اور سمجھایا کرتے تھے اب وہ ہمیں سمجھانے اور پڑھانے کے لئے تیار رہتیں۔ کبھی کبھی تو آنکھ بھر کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں ہوتی تھی۔ ہمارے پھیلائے ہوئے پاؤں حیرت ناک لطائف کے اثر سے خود بخود مودب ہو جاتے تھے۔ یہ بھی خدا کی قدرت کا عجیب تماشہ تھا کہ بغیر کسی شغل و ریاضت کے عالم مثال اور گلشن ارواح کی سیر کر رہی ہے۔ بیسوی کھلی آنکھوں بیداری میں وہ سب کچھ دیکھ رہی ہے۔ جو میاں کو خواب اور مراقبے میں بھی نصیب نہیں ہوئے"[1]

سلمیٰ کے اقوال اور فرمودات کو امجد نے جمال امجد کے آٹھویں نوشتہ میں جمالیات سلمیٰ کے زیر عنوان محفوظ کر لیا ہے۔ ان میں سیکڑوں دینی

---

[1] امجد حیدر آبادی۔ جمال امجد۔ ص۔ ۱۱۵ تا ۱۱۶

و دینوی نکات ہیں۔ ان کا رستدلال ناقابل تردید اور بیان دل نشین ہے۔ امجد کا جو فلسفہ اور تصوف ان کی شاعری بالخصوص رباعیات میں ملتا ہے ان سب میں سلمیٰ کی فکر کا غلبہ ہے بقول مناظر حسن گیلانی۔

"سچ پوچھئے تو شاعر امجد حکیم امجد بن جانے کا موقع شاعری کی تاریخ میں حکیم سنائی کے بعد جو ملا تو بہت کچھ دخل مرحومہ سلمیٰ کے رفاقت کا بھی تھا"[1]

حج بیت اللہ

سلمیٰ حاملہ تھیں امجد نے حج کا ارادہ کیا انہوں نے بھی اس حال میں سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے سعادت عظمیٰ حاصل کرنے پر اصرار کیا اور امجد کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی

دوسری بیوی جمال النساء کی رحلت

واپسی کے دو ماہ بعد ان کا بچہ تولد ہوا جس نے چند ہی دنوں میں ماں سے منہ پھیر لیا اور ماں نے اپنی گود سے الگ کر کے اسے قبر کی گود میں سلا دیا بچے کی مفارقت ماں کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔

ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ امجد کے لئے ایک بار پھر دنیا اجڑ گئی

---

[1] مولانا مناظر حسن گیلانی مضمون حکیم الشعراء حضرت امجد حیدرآبادی مشمولہ کتاب یادگار امجد ص ۳۲

ان کے پاس کچھ سرمایا بچا تھا وہ سلمیٰ اور ان کی باتوں کی یاد کا تھا وہ بہت دنوں تک غم میں مبتلا رہے

تیسری اور چوتھی شادی

بالآخر ان کے دوستوں نے اصرار کر کے ان کی شادی کرادی امجد صاحب کی نفاست پسند طبیعت اس بیوی کے ساتھ زندگی گذارنے پر آمادہ نہ ہوئی اور ان کو روز اول ہی طلاق دیدی۔ بعد ازاں سید ابراہیم حسینی کی دختر قمر النساء بیگم سے ۹ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ بعقد پنجشنہ عقد کیا۔ انہوں نے امجد کو ان کی آخری سانس تک ساتھ دیا وہ حسن میں سلمیٰ کی ثانی تھیں۔ لیکن باطنی اور روحانی صفات میں ان کی ہم پلہ نہ تھیں۔ ان کے ساتھ امجد کی زندگی خوشی اور اطمینان سے گذری۔ قمر النساء بیگم کا انتقال امجد کی وفات کے بعد ۱۴۰۶ھ میں ہوا۔

ملازمت صدر محاسبی اور سبکدوشی

دار العلوم حیدرآباد میں مدرس کی حیثیت سے چند برس گذارنے کے بعد امجد نے ٹیچر ٹریننگ بھی مکمل کرلی بعد میں وہ صدر محاسبی حیدرآباد منتقل ہوگئے۔ اور ترقی کرتے کرتے بحیثیت مدد گار حسن خدمت وظیفہ

پیر سبکدوش ہو گئے۔

قیام گاہیں

جمال النساء کی رحلت کے بعد امجد سالار جنگ کی دیوڑھی کے پاس ایک قدیم مکان کے کمرے میں تنہا زندگی گزارنے لگے انہوں نے بعد میں مستعد پورہ حیدرآباد میں ایک مکان خرید لیا تھا جس سے مکان خریدا ان کے بزرگوں کی قبریں بھی اسی مکان میں تھیں۔ جب انہیں ترقی مل گئی اور تنخواہ کی اچھی خاصی رقم ہاتھ لگ گئی تو آغاپورہ حیدرآباد میں۔ مکان خرید لیا اور وہیں منتقل ہو گئے باقی عمر اسی مکان میں گذاری۔

جشن الماس (امجد کی خدمات کے اعتراف میں)

۱۹۵۵ء میں ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کا ۲۵ سالہ جشن منانے کا اہتمام کیا گیا تو اس میں کچھ لوگوں کی خواہش تھی کہ حضرت امجد کی خدمات کے اعتراف کے طور پر ان کا جشن الماس بھی منایا جائے۔ چند لوگوں کی یہ تجویز منظور ہوئی ادارہ ادبیات اردو ۲۵ سالہ جشن کی تقریب کو حضرت امجد کا جشن الماس قرار دیا گیا۔ یہ جشن ۳۱ جنوری ۱۹۵۵ء کی شام ۵ بجے اعظم ہال سٹی کالیج میں منایا گیا۔ افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق نے صدارت فرمائی

ڈاکٹر زور نے سپاس نامہ پیش کیا حضرت امجد / علالت کی وجہ
سے سپاس نامہ کا جواب خود نہ پڑھا بلکہ کسی اور سے پڑھوایا۔ حضرت امجد
نے اپنے مختصر جواب میں فرمایا۔ میں اپنے قدر دانوں دوستوں عزیزوں کا
اور محسنوں کا شکر گذار ہوں۔ اور ان کی اس جدت کا معترف ہوں عام
دستور کے خلاف میری قبر پر پھول ڈالنے سے پہلے میری زندگی میں ہی پھولوں
کے ہار میرے گلے میں ڈال دئے۔ اور میری قبر پر شاندار گنبد بنانے سے
پہلے خاک کو عالم بالا تک پہونچا دیا۔ آپ بزرگوں / دوستوں اور قدر دانوں
نے میری حیثیت اور استحقاق سے زیادہ ذرہ نوازی فرما کر مجھ ذرہ بے
مقدار کو آفتاب بنا دیا۔ میں پہلے ہی آفتاب ہوں مگر کیا آفتاب لب
بام ہے۔ اب ڈوبا کے جب ڈوبا اب چھپا کہ جب چھپا کانوں سے کم
سنتا ہوں آپریشن کے بعد آنکھوں سے کم دیکھتا ہوں لقوہ کے بعد زبان سے
اچھی طرح بول نہیں سکتا۔ ان اعتبارات سے بہت حد تک مر چکا ہوں
صرف گذرنا باقی ہے دیکھئے کب وقت آتا ہے۔ میں شروع ہی سے نام
و نمود و شہرت سے دور رہا ہوں۔ ہیرو پکنڈے سے واقف ہی نہیں ہوں
اور انشاء اللہ آئندہ بھی میرا یہی حال رہیگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ۱۳۲۶ھ

کی طغیانی میں امجد اور اس کا خاندان جس جگہ غرق ہوا تھا اس جگہ اسی مقام پر امجد کی جوبلی منائی جا رہی ہے۔ اس تقریب میں جوش ملیح آبادی پروفیسر رفیع الدین ناگپوری، شریف النساء، معین الدین، قطب النساء ہاشمی نے حضرت امجد کی زندگی اور ان کی شاعری کے حوالہ سے مقالات پڑھے زینت ساجدہ نے اپنے تاثرات بیان کئے۔ ڈاکٹر عبدالحق نے اپنی صدارتی تقریر میں حضرت امجد کے ذاتی اوصاف بیان کئے اور ان کی شاعری کو خراج تحسین پیش کیا

انتقال

امجد ضعف پیری کے بعد متعدد امراض میں مبتلا رہے انتقال سے چودہ ماہ قبل وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بے تعلق ہو چکے تھے۔ ہر صحبت میں چلے جانے کا اضطراب ظاہر کرتے تھے ۲۵ مارچ ۱۹۶۱ء کو وہ اپنے ایک معتقد کے گھر سکندرآباد گئے ان کا گھر لب سڑک تھا کمرہ میں گرمی کی شدت تھی اس لئے باہر نشست جمی رہی ان کی آنکھ لگ گئی خواب سے بیدار ہوئے تو فرمایا کہ بڑی ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا ہے دوسرے دن صبح آغا پورہ حیدرآباد آگئے۔ اور فرمایا رات بھر جنت کی ہوا کھاتے رہے اور آرام سے سوتے

رہے لیکن ٹھنڈی ہوا سے بخار چڑھ گیا ۲۶ مارچ ۱۹۶۱ء مطابق ۸ / شوال ۱۳۸۰ھ کو شام میں ڈاکٹر محبوب علی صاحب کے پاس سے دوا منگوائی گئی جو بے حد کڑوی تھی۔ اسے استعمال کرنے سے انکار کیا۔ اور ڈاکٹر عبدالحمید کے ہومیو پیتھک کی دوا شروع کی بخار اتر گیا کچھ آرام ہوا۔ لیکن پیروں پر ورم آگیا تھا حکیم صاحب سے رجوع کیا انہوں نے کافور کے تیل کی مالش کی جس سے بخار پھر تیز ہوگیا ۲۸ / مارچ کو پیروفیسر اکبرالدین صدیقی ملاقات کو گئے ان کا ہاتھ تھامے پڑے رہے۔ اچانک سوال کیا کہ کیا ہم جا سکتے ہیں پیروفیسر صاحب کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ان کے ہوش درست بھی نہ ہونے پائے تھے کہ اس سوال کو دہرایا ۲۹ مارچ کو ڈاکٹر شاہ نواز نے معائینہ کیا ڈاکٹر شاہ نواز جانے لگے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا خدا حافظ اللہ آپ لوگوں کو خوش اور اچھا رکھے جب وہ چلے گئے تو فرمایا کہ ہم بھی جاتے ہیں۔ مغرب سے قبل دوا دی گئی مغرب کے بعد ضرورت سے فارغ ہو کر دودھ پیا کچھ دیر آرام سے لیٹے پھر بے چینی اور بے قراری محسوس ہوئی تو بیدار ہوئے اور رات پونے گیارہ بجے شعر و تصوف علم و عرفان کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ حضرت امجد کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی صبح کے اخبارات

میں سانحہ ارتحال کی خبریں شائع ہوگئیں ہمدردی رکھنے والوں نے اپنے
ادارے اور دفاتر ان کے سوگ میں بند کردیے لوگ بلا تفریق مذہب
وملت انہیں حیدرآبادی تہذیب کا نمائندہ گردانتے تھے۔ ان کی قیام گاہ
آغا پورہ پیر جمع ہونے لگے بعد غسل میت کو دیدار کے لئے مردانہ حصہ میں
رکھا گیا چاہنے والوں نے آنسوؤں کی بارش میں آخری دیدار کیا۔ اس کے
بعد نماز جنازہ مسجد نامپلی میں ادا کی گئی۔ بعد نماز ظہر حضرت عبداللہ
شاہ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد احاطہ درگاہ شاہ خاموش
میں سپرد خاک کیا گیا۔ نماز جنازہ اور تدفین میں بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت
کی۔ فاتحہ چہلم کے موقع پر ادارہ ادبیات اردو کی جانب سے ایک کتبہ ان کے
مزار پر نصب کیا گیا۔ کتبہ کے اندرونی رخ پر پروفیسر اکبرالدین صدیقی کا
تحریر کردہ قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔

اخلاق و سیرت

شکل

امجد جب ۳۵ برس گذار چکے تھے "جمال امجد" میں اس وقت کا حال یوں لکھا ہے

"ہمارا رنگ گندمی ہے وہ گندم جس کی بدولت بابا آدم جنت سے دنیا میں اور ہمارے بابا دنیا سے جنت میں بھیج دئے گئے۔ قد دو گز سے دو انچ کم سر بڑا فراخ پیشانی بھوں۔ آنکھ کان متوسط نہ بڑے نہ چھوٹے۔ رخسار کسی قدر دبے ہوئے۔ مختصر سی ڈاڑھی نور و ظلمت کا نمونہ سینہ چوڑا کمر سینہ سے ۵ انچ کم جسم موٹا نہ دبلا مذبذب بین ذالک۔ قوی ابتدائی جوانی سے اب تک ایک ہی حال پر بال برابر فرق نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جو پتھر ہم سے اس وقت نہیں اٹھ سکتا تھا اب بھی نہیں اٹھ سکتا۔[1]"

سادگی پسندی

حضرت امجد نے غربت اور مفلوک الحالی میں زندگی کی ابتداء کی برسہا

---

[1] جمال امجد ص ۲۹۴

یہ ہیں جز معاش حالت میں زندگی گذاری - آرائش اور زیبائش آرام و سکون کی خواہش ان کے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوئی لباس خوراک رہن سہن از ابتداء تا انتہا یک رنگی رہا خوش حالی کے دور میں بھی انہوں نے اپنی حالت کو نہیں بدلا غذا کے بارے میں ان کا فلسفہ تھا -

"ہمارے کھانے کا فلسفہ بھی عجیب تھا وہ یہ کہ ہر لقمہ باعتبار زمان و حال و کمیت اور کیفیت دوسرے سے مختلف ہوتا ہے ایک لقمہ کی کیفیت دوسرے لقمہ سے اپنے پورے حالات اور کیفیات میں کبھی متحد نہیں ہو سکتی ادھر کھانے والے کے ذوق و وجدان و احساس میں آناً فاناً تبدیلی ہوتی رہتی ہے اس لئے کھانے والے کے ہر لقمہ میں نیا ذوق ہر نوالہ میں نئی لذت ملنی چاہیئے اگر ایسا نہیں ہے تو قوت ذائقہ کی صحت میں ہی تامل ہے معطومات کو کیوں معطون کیجئے"[1]

وہ سادہ غذا استعمال کرتے اور ضرورت پڑتی تو پکا لیا کرتے تھے ملازموں کے دست نگر کبھی نہیں رہے - مولانا مناظر حسن گیلانی لکھتے ہیں

---

[1] جمال المجد ص ۱۱۱

"حضرت امجد کے باورچی خانے میں ضروری نہ تھا کہ خشکہ یا گیہوں کی روٹی ضرور پکے بسا اوقات جوار پر بھی بات آجاتی تھی۔ اپنی سائیکل کی ناشتہ دانی میں جوار کی انہیں روٹیوں کے ساتھ کسی قسم کے سالن کو شریک کرکے جام باغ علی الصبح ناشتہ سے پہلے آجاتے تھے اس دن ہمارے ہاں کا ناشتہ بس جوار کی یہی امجدی روٹیاں ہوا کرتی تھیں" [1]

وہ حصول لذت کا بڑا اصول اس کو خیال کرتے تھے کہ ہر چیز پوری خواہش اور کامل طلب کے بعد استعمال کی جائے۔ کھائیے پوری بھوک میں اور پیجئے خوب تشنگی میں پھر دیکھئے معمولی کھانے اور پینے میں کتنی لذت ملتی ہے۔ ایسا ہی رویہ لباس کے بارے میں تھا۔ ان کی نظر میں لباس مقصد نہ تھا بلکہ تن ڈھانکنے کا ذریعہ تھا۔ انہیں نہ تو زیب و زینت کا خیال رہتا اور نہ آرائش اور زیبائش کا معمولی لباس پہنتے گھر میں لنگی باندھتے ملاقاتی چاہے عام آدمی ہو یا صاحب حیثیت ملنے کے لئے آتا تو اسی حالت میں ملاقات کرتے کسی کی خاطر تبدیلی لباس کو روا نہ رکھتے تھے۔ باہر نکلتے تو سفید رنگ کی شیروانی اور ترکی ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ حج کے بعد کپڑے کی عربی ٹوپی استعمال کرنے لگے تھے

---

[1] جمال امجد ص ۳۱

حیدرآبادی وضع کا دہرا پائجامہ اور چپرھادیں جوتا پہنتے تھے۔ کہیں جانا ہوتا تو اپنی سائیکل پر نکل جاتے۔ اس وقت وہ صدر محاسبی میں کلرک تھے جب بھی سائیکل پر جاتے اور جب گزیٹیڈ افسر ہوگئے تب بھی وہ سائیکل کی مفارقت کو گوارا نہ کی۔ مددگاری کے زمانے میں ان کا اجلاس بالائی منزل پر تھا زینے پر پہونچ کر سائیکل کو کندھے پر رکھے اوپر چڑھ جاتے چپراسی سائیکل اٹھا کر لے جانے کا خواستگار رہتا لیکن یہ سعادت اسے کبھی نصیب نہ ہوئی۔ کسی مخلص دوست یا عزیز شاگرد سے موٹر مستعار لے لیتے لیکن کسی امیر کبیر عقدت مند کے سامنے حاجت کا اظہار نہ کرتے تھے البتہ دوسروں کی حاجت روائی میں مسرت محسوس کرتے

ملاقاتیوں سے مخلصانہ رویہ

حضرت امجد کی مزاج میں خاکساری تھی وہ خلوص اور محبت کے پیکر تھے ہر ایک کے ساتھ چاہے وہ اجنبی کیوں نہ ہو اپنائیت کے ساتھ ملتے خوش گفتاری کا مظاہرہ کرتے مسائل کے استفسار پر پوری توجہ سے جواب دیتے شعر سنانے کی فرمائش پر مکرر شعر سناتے۔ فرمائش پوری کرکے لوگوں کا دل رکھ لیتے۔ امرا سے ملنے کا اشتیاق انہیں کبھی نہ رہا حالانکہ اس طبقہ میں ان کے عقیدت مندوں کی

کمی نہ تھی ان کے رویہ میں نہ تو بے جا تکریم ظاہر ہوتی نہ خواہ مخواہ کا غرور نظر آتا البتہ غریبوں سے ہمدردی کا جذبہ ان پر غالب رہتا۔ ایک بار حیدرآباد سے اورنگ آباد حالی کے صد سالہ جشن میں گئے تو ریل کے تیسرے درجہ میں سفر کیا ریل میں تو غریبوں کی درگت جو بنتی دیکھی تو رباعی کہی۔

دنیا میں یہ بدنصیب جینے کیوں ہیں
مردود در حبیب جیتے کیوں ہیں
ہے پیٹ کو ٹکڑا نہ بدن پر کپڑا
معلوم نہیں غریب جیتے کیوں ہیں

اس رباعی میں کرب کی ایک کیفیت موجود ہے اور اس بے بسی کا اظہار ہے جس سے غریب دوچار ہوتے ہیں۔ حضرت امجد کے ملنے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اس میں ہر طبقہ اور ہر مکتب فکر کے لوگ موجود تھے

گھریلو زندگی

وہ گھریلو زندگی کو خوش گوار بنانے کے فن سے واقف تھے اپنے صبر اور شکر کے رویہ کی وجہ سے کبھی کسی اہلیہ کے ساتھ کشیدگی پیدا کرنے سے گریز کیا۔ باوجود اس کے انہیں اولاد زندہ نہ رہنے کا غم تھا کبھی اس کا

اظہار نہیں کیا۔ بچوں سے ان کو بڑی محبت تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی سالی کی لڑکی کو گود لے لیا اس کی پرورش کی اور اپنی اولاد کی طرح اس کی شادی بڑے پیمانے پر کردی انہیں اپنی بیویوں میں سے سلمیٰ سے بے حد لگاؤ تھا کیونکہ ان سے ذہنی ہم آہنگی اور مطابقت تھی۔ ان کے ساتھ علمی اور مذہبی بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ ایک دور میں حضرت امجد ان کی تربیت کرتے رہے تو دوسرے دور میں سلمیٰ نے اپنے عرفان کی بنیاد پر ایسے ایسے انکشافات کئے۔ امجد جیسا حکیم بھی چکرا کر رہ گیا باہم محبت کے ساتھ عقیدت کا جذبہ بھی کارفرما رہا۔ تمر النساء زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھیں مگر سلیقہ شعار تھیں اپنے فرائض اور شوہر کو خوش رکھنے کے فن سے واقف تھیں۔ گھریلو زندگی ان کے ساتھ بھی خوشگوار گذری۔ امجد نے بھی ان کے حقوق کا خیال رکھا۔ ان کو بہتر لباس پہنایا اور ان کی خواہش اور فرمائش کو رد نہیں کیا۔ اسلامی قانون کے مطابق ان کو آزادی دے رکھی تھی۔ ان کے کہیں آنے جانے پر پابندی نہیں لگائی۔

حضرت امجد مذہب پرست تھے لیکن دنیا سے لاتعلق کبھی نہیں رہے انہیں سیر و تفریح کا بھی شوق تھا پکنک بھی مناتے سنیما بھی دیکھتے تھے خصوصاً

المیہ فلمیں ان کو زیادہ پسند تھیں

مذہبی شعار

حضرت امجد سچے مسلمان تھے شعار اسلام کے ہمیشہ سختی سے پابند رہے خدا و رسول کی محبت کو اصل ایمان جانتے تھے۔ اکثر آیات کریمہ کی تلاوت کرتے اور اگر سنتے تو ان کے مطالب پر گہری نظر ہوتی پروفیسر اکبرالدین صدیقی کے مضمون کے مطابق وہ حضرت امجد کو قرأت سننے کا شوق عشق کی حد تک پہونچا ہوا تھا حافظ صدیق حسن صاحب کی قرأت بڑے ذوق اور شوق سے سنتے حافظ فیض مصطفےٰ صاحب کی قرأت سننے کے لئے نماز تجرشک کی مسجد میں ادا فرماتے حج امجد میں بھی قرأت کی مجلسوں کا ذکر شوق سے فرمایا ہے[1] تلاوت کرتے یا سنتے ہوئے مطالب پر ہمیشہ دھیان رہتا اسی لئے ان پر رقت طاری ہوجاتی تھی۔ نماز پابندی سے ادا کرتے نماز جمعہ کے لئے زیادہ تر ایسی مسجدوں میں جانا پسند فرماتے جو غیر معروف اور کم آبادی ہوتی ہوں جگہ ایسی تلاش کرتے جہاں تکلیف نہ ہو فرض نمازوں کے علاوہ تہجد اور نوافل بھی کثرت سے پڑھا کرتے۔ ذکر اور فکر میں ان کے شب و روز گذرتے

---

[1] پروفیسر اکبرالدین صدیقی کتاب۔ یادگار امجد ص ۴۴

تھے انہیں سماع سے بھی لگاؤ تھا کبھی درگاہ یوسفین پہونچ جاتے تو قوال حضرات انہیں کا کلام سنانے لگتے۔ آپ لطف اندوز بھی ہوتے اور آنسو بھی بہانے لگتے۔ وہ صوفی منش تھے تصوف سے دلچسپی رکھتے تھے ان کے تصوف کی بنیاد قرآن و حدیث تھے۔ اپنے ذوق و شوق وجدان اور مراقبے سے جو کچھ پایا اس سے زیادہ سلمیٰ نے ان کی جھولی میں ڈال دیا۔ ان کے خیالات اور نظریات کی بنیاد احکام شرعی کی پابندی دین و دنیا کی کامیابی اخلاقیات عالیہ پر ہے

بیعت

امجد نے شاہ شمس الدین فیض کے سلسلہ میں بیعت بھی کی تھی لیکن یہ ان کی کم عمری کا واقعہ ہے بعد میں اس جانب ان کی خاص توجہ نہیں رہی وہ تمام بزرگان دین اور مشائخ کا احترام کرتے۔

شاعری

آغاز شاعری

طالب علمی کے زمانے میں جب ان کی عمر ۱۳، ۱۴ سال تھی انہیں شاعری سے لگاؤ پیدا ہوا۔ ناسخ کے دیوان نے شوق کو ابھارا اور انہوں نے اردو میں پہلا شعر کہا۔

نہیں غم گرچہ دشمن ہو گیا آسمان اپنا
مگر یارب نہ ہو نامہرباں وہ مہرباں اپنا

امجد

امجد فارسی کی درسی کتابیں تو پڑھتے لیکن سوائے گلستان سعدی انہیں ایسی کوئی کتاب پڑھنے کو نہ ملی جو فارسی میں شعر کہنے کے لئے رہنما ثابت ہو۔ امجد کے سارے کلام میں تصوف و عرفان کی ولولہ انگیز جھلکیاں پائی جاتی ہیں ان کی دل کی آنکھ کھلی رہتی۔ اپنی شاعری کے تعلق سے وہ خود فرماتے ہیں

امجد

آیا ہے زمانہ ترقی — گندہ بندہ خدا بنا ہے
ایمان سے دل کو صاف کر کے — امجد صوفی بنا ہوا ہے

امجد کی شاعری کی قدر و قیمت اس لئے تھی کہ وہ اپنی شاعری کے ذریعہ انسان کو انسانیت کے نصب العین کی طرف بلاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی

شاعری میں تصوف اور عرفان کے مضامین کے ساتھ اپنے عہد کی عوامی زندگی کی بھی نہایت کامیاب ترجمانی کی ہے آپ کے کلام میں انسانی فطرت کے حقائق و معارف اس قدر فطری انداز میں جھلکتے ہیں کہ پڑھنے والا ایک ایسی اونچی جگہ پہونچ جاتا ہے کہ زندگی کے نشیب و فراز باقی نہیں رہتے امجد کا کلام بحیثیت مجموعی ایک طرف راہ سلوک کے رموز کی رہنمائی کرتا ہے تو دوسری طرف زبان و ادب کی خدمت۔

امجد کی انفرادیت و خصوصیت ان کا معنیانہ انداز ہے جو ان کے پورے کلام میں ہر مقام پر کسی نہ کسی روپ میں جلوہ گر ہے انہوں نے اپنی فطری صلاحیت اور مذاق کے مطابق دریائے معرفت کی پنہاہیوں کو اپنی حقیقت پسندانہ شاعری کے کوزہ میں بند کیا جو راہ حق کے رہروؤں کے لئے گنجینہ حقیقت ہے حضرت امجد نے اظہار خیال کے لئے یوں تو کئی ہیئتوں کا استعمال کیا ہے لیکن ان میں دو خاص ہیئتیں ہیں۔ ایک غزل کی ہیئت اور دوسرے رباعی کی انہوں نے حقائق اور معارف اخلاق و فلسفہ حکمت اور تصوف کے مسائل کو اس خوبی کے ساتھ لباس شعر میں جلوہ گر کیا ہے کہ ہر رباعی ایک ضرب المثل معلوم ہوتی ہے ایسے ہی کلام سے یقین ہوتا ہے کہ شاعری چیز نیست از پیغمبری

امجد کا نظریہ شاعری

کلام امجد کی سب سے بڑی خوبی سادگی الفاظ اور سادگی اظہار ہے وہ مشکل اور پیچیدہ مضامین کو بھی سلیس اور دل نشین انداز میں بیان کرنے پر قادر تھے ان کے مصرعے سیدھے سادھے جملے معلوم ہوتے ہیں یہ شان کسی شاعر کے کلام میں نہیں ملتی۔

حضرت امجد کا اپنا نظریۂ شاعری تھا جس پر وہ کاربند رہے اس نظریہ کو انہوں نے خرقہ امجد میں بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق

شعر ہو یا راگ ہو جب تک سامع کو بے خود نہ کر دے اور فطرت میں حرارت پیدا نہ کر دے۔ قدیم کافر کو مسلمان نہ بنا دے۔ کثیف مادے میں لطیف روح نہ پھونک دے فنون لطیفہ میں شمار نہیں کئے جا سکتے اگر ناک کی جگہ ناک تو بنائی جائے مگر صورت کے اعتبار سے بڑی یا چھوٹی کر دی جائے تو تصویر مکمل ہوگی مگر مضحکہ خیز۔ اسی طرح موزوں نظم بھی اپنی بدنظمی اور غیر مناسب اور ثقیل الفاظ کی وجہ سے شعر گفتن چہ ضرور بود۔ کا مصداق ہو جاتی ہے ان کا کہنا تھا کہ نظم ہو یا نثر تقریر ہو یا

تحریر اس کا کچھ نہ کچھ حاصل ہونا چاہئے۔ اور امجد کے کلام میں یہ بحسن و خوبی پایا جاتا ہے ان کی مقبول عام و پسند خاص نظمیں رباعیات اور ان کی بلند پایہ تصانیف نہ صرف دکن بلکہ ہند و پاک کے علمی و ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔

امجد کی رباعیاں اور تصوف

اصناف سخن میں رباعی بظاہر مختصر صنف ہے لیکن درحقیقت سب سے مشکل اور یہ بات یقیناً حیرت انگیز ہے کہ حضرت امجد کی شہرت زیادہ تر رباعی گو شاعر کی حیثیت ہی سے ہے اس لئے آپ کو سرمد ثانی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی شاعری آپ کے وطن کی عزت و آبرو ہے۔ ایسا اضافہ کہ آئندہ نسلیں ہمیشہ یاد کرتی رہیں گی۔ یہ رباعیاں انسانی زندگی کی تلخ حقیقتوں کو پیش کرتی ہیں۔ کائنات کے اسرار میں سما جاتی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ امجد کی رباعیاں اردو شاعری کا بے مثل سرمایہ ہیں امجد کی رباعیوں کا ماخذ قرآن و حدیث ہیں اور ان کے مطالب کی شاعرانہ تفسیر ہیں جو کچھ انہوں نے لکھا قرآن و حدیث کی روشنی میں لکھا۔ درویشی اور قلندری کی دولت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ روح اور قلب کی دولت ہوتی ہے امجد اس

دولت سے مالا مال تھے حاصل یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات اور تصوف کے مسائل کو شاعری میں اس طرح سمو دیا کہ قرآن و حدیث سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کہی تصوف میں وحدت الوجود اور ہمہ اوست کے مسائل بہت الجھے ہوئے ہیں امجد نے ان پیچیدگیوں کو اچھے انداز میں سلجھایا ہے۔ تصوف میں تزکیہ نفس کو بہت اہمیت دی جاتی ہے جس سے گذرنے کے بعد سلوک کی نوبت آتی ہے کیونکہ جب تک نفس مادی خواہشات سے پاک و صاف نہیں ہوتا جسم و قلب میں طہارت پیدا نہیں ہوتی۔ اور نہ سلوک کا راستہ طے ہو سکتا ہے امجد کہتے ہیں۔

آئینہ میں نہ سانس سے آجائے غبار
پہونچے نہ ہوائے نفس ہو تک ہوشیار
ہے نفس ہی تیرا تیرا دشمن
اے طالب زیست نفس امارہ کو مار

انسانی نفس اور روح کی حقیقت تصوف کے مسائل میں سے ایک ہے آیا روح اور نفس خدا ہیں یا دونوں ایک ہیں اس کی تفسیر امجد کی

یہ رباعی ہے ۔ امجد دونوں کو ایک ہی تصور کرتے ہیں جب ادراک ماضی مقتضیات کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کو نفس کہتے ہیں اور جب مادیت اور حیوانیت سے قطع نظر اپنی اصلیت کا رخ اختیار کرتا ہے تو اس کو روح کہتے ہیں۔

امجد صوفی ضرور ہیں لیکن صاحب باطن صوفی ایسے صوفی نہیں کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھیں اس کا اظہار انہوں نے رباعیات کے علاوہ اپنی قطعات میں بھی کیا ہے ۔ امجد من اور تو کے مسئلہ کی تشریح یوں کرتے ہیں ۔

کیفیت جان و تن فقط تن میں نہیں
پیدائش مرد و زن فقط زن میں نہیں
امجد
لذت ہے جبھی کہ دو میں یکجہتی ہو
جو لطف من و تو میں ہے من من میں نہیں

امجد کی نعت نگاری

رباعی سے قطع نظر منظومات کا جائزہ لیا جائے تو حضرت امجد کی انفرادی شان نظر آئے گی نعت گوئی مسلمانوں میں عام رہی ہے اور خیر و برکت

کا سبب سمجھی جاتی رہی ہے۔ حضرت امجد کی نعتیں متنوع ہیں ان میں سے بعض اس قدر مقبول ہوئیں کہ زبان زد خاص و عام رہی۔ محفلوں قوالیوں میں سنی جاتی رہیں ہیں۔ ان میں گیسوں والے آجا۔ روحی فداک۔ طلع البدر علینا۔ یا رحمۃ للعالمین۔ اے رسول عربی ہاشمی و مطلبی کانو جواب ہی نہیں۔

امجد کی نظم گوئی

امجد نے رباعی کے فن کو چار چاند لگائے ہیں نظم گوئی میں بھی وہی شان موجود ہے۔ ہر مصرعہ اور ہر ایک شعر مربوط اور مسلسل ہوتا ہے تروائلڈ کا کہیں نام نہیں یہی وجہ ہے کہ قاری کی توجہ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ قیامت صغریٰ میں آپ بیتی ہے موسیٰ ندی کی طغیانی کے کرب ناک منظر نے ایسی متاثر کن نظمیں بہت کم ملتی ہیں۔ یہ نہیں کہ حضرت امجد نے زندگی کے المناک پہلو پر ہی شعر کہے ہیں۔ ان کے ہاں انبساط سے بھرپور نظمیں بھی ملیں گی جلوہ کا گیت اسی انداز کا ہے جسے شادی کے موقع پر لڑکیاں گاتی ہیں اس میں شوخی اور شرارت بھی ہے۔

قصیدہ گوئی

انہوں نے سترہ سال کی عمر میں قصیدہ در مدح اعلیٰ حضرت محبوب علی خاں فارسی میں لکھا تھا پروفیسر اکبرالدین صدیقی نے اس قصیدے کو رسالہ سب رس حیدرآباد دکن کے امجد نمبر ۱۹۶۶ء میں شائع کروایا۔ حضرت امجد کے کسی مجموعہ میں یہ قصیدہ شامل نہیں ہے۔

جب حضرت امجد کے دل میں مستقلاً شعر گوئی کا رجحان پیدا ہوا تو انہوں نے اردو کلام پر حبیب کنتوری اور فارسی کلام پر تر کی علی شاہ تر کی سے اصلاح لی انہوں نے اردو اور فارسی میں یکساں قدرت کے جوہر دکھائے ہیں۔ ابتدا میں کئی اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ رباعیات۔ نظمیں اور غزلیں لکھیں لیکن بعد میں غزل کو ہزل جان کر اس سے اغماض برتنے لگے آخر ان کی طبیعت نے اپنے آپ کو رباعی کے لئے مخصوص کر لیا۔ فکر کی گہرائی رباعیوں میں ہی نظر آتی ہے۔ اور یہی صنف ان کی شناخت بن گئی۔ ریاض امجد حصہ اول و دوم میں دیگر اصناف سخن کے نمونے موجود ہیں۔ ان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں شاعرانہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی مشق سخن نے انہیں اس قابل بنا دیا تھا کہ فی البدیہہ شعر کہتے تھے ان کے کلام پر قدرت۔ عطیہ الٰہی کے سوا کچھ نہیں

تضمین نگاری

حضرت امجد کو تضمین نگاری میں بھی خاصہ ملکہ تھا انہوں نے زیادہ تر فارسی کے اشعار کی اس طرح تضمین کی ہے کہ اردو کے قالب میں ڈھال دیا مصرعوں میں ربط اور ہم آہنگی ایسی پیدا کی ہے کہ اصل اشعار اور اضافہ کئے ہوئے اشعار کو کہیں سے جوڑ نہیں کیا جا سکتا۔

غزلوں میں تصوف

امجد صوفی ہیں اس کے ساتھ شاعر بھی ہیں آپ کی غزلیں بھی تصوف اور فلسفہ کا معدن ہیں جن میں راز پنہائی جلوہ نما ہوتے ہیں دیدہ بصیرت سے اپنے معشوق حقیقی کے اصل جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں تصوف کا اہم مسئلہ معرفت ہے معرفت کی روح رواں خالق کی ذات ہے۔ غزلوں میں ان کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ خدا کی ذات مثل اور مثال و تمثیل سے بالاتر ہے۔ جب تک مثال دینے کے قابل نہ ہو اس کی تمثیل دی ہی نہیں جا سکتی۔ خدا کی شان جلال اور جمال دونوں سے متصف ہے جلالی شان جبروت کی مقتضی ہے جس سے ہر صوفی لرزاں رہتا ہے اور شان جمالی رحم و کرم

کی پیکر ہے۔ ذیل میں ان کی غزلوں کے کچھ اشعار دیے جاتے ہیں ان میں کیفیت عبدیت معرفت الٰہی اور توحید وجودی کے مسئلہ کو صاف بیان کیا گیا ہے۔

ہم تو اک یار اس کے ہو جائیں — وہ ہمارا ہوا ہوا نہ ہوا
ڈھونڈتا ہوں میں ہر نفس اسکو — اک نفس مجھ سے جو جدا نہ ہوا
کیا ملا وحدت وجودی سے — بندہ بندہ رہا خدا نہ ہوا
جا چکے عقل ہوش تاب و تواں — لیکن اب تک انا فنا نہ ہوا

امجد

یہی رنگ ان کی تمام غزلوں میں نظر آتا ہے جس میں کہیں تو واضح طور پر اور کہیں رمز و وحدت میں کسی مسئلہ تصوف کی وضاحت کی جاتی ہے۔

عالم میں ہر ایک اس کا شیدا نظر آتا ہے۔ اس طور کا ہر ذرہ موسیٰ نظر آتا ہے
کس طرح نظر آئے در پردہ نشیں امجد — ہر پردہ کے بعد اور اک پردہ نظر آتا ہے

کس چیز کی کمی ہے مولیٰ تری گلی میں — دنیا تری گلی میں عقبیٰ تری گلی میں
اک آفتاب وحدت ہے جلوہ بخش کثرت — نکلی ہوئی ہیں گلیاں صدہا تری گلی میں
جھولیاں سب کی بھر جاتی ہیں — دینے والا نظر نہیں آتا۔

امجد

نثری کارنامے

۔ ان کی نثر میں بھی وہی سادگی اور روانی ہے جو نظم میں ہے تلاش کرنے پر کہیں بھی تغلق نظر نہیں آتا تحریر کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ جو بات کہی جائے اسے دوسرا پوری طرح سمجھے اور اس کے دل پر اثر بھی ہو۔ ان کی نثر میں رباعی کا استعمال اس طرح برمحل ہوتا ہے کہ تسلسل بیان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نثر کے اعتبار سے شعر یا رباعی کہتے ہیں گویا آدھی بات نثر میں ہوتی ہے اور آدھی شعر میں اس سے نثر کی تاثیر بڑھ جاتی ہے۔ انہوں نے اکثر موقعوں پر حاصل کلام یا حقیقی مافی الضمیر شعر کے ذریعہ ہی پیش کیا ہے۔

جمال امجد

سنہ اشاعت ۱۳۴۸ھ ۱۹۲۹ء اس میں امجد نے اپنی دوسری اہلیہ جمال النساء کے بارے میں اپنے قلبی تاثرات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے یہ تصنیف ۱۱ ابواب پر مشتمل ہے ساری کتاب حیرت انگیز تعلیم روحانی تزکیہ نفس اور معرفت سے بھری ہے چوتھے باب میں

امجد نے رود سرسٹی کی طغیانی اور اپنی تباہی کا ذکر کیا ہے جو ۱۹۰۸ء میں واقع ہوئی تھی

گلستان امجد

سنہ اشاعت ۱۳۵۴ھ م ۱۹۳۵ء ۔ امجد کی نثری تخلیقات میں گلستان امجد کو اولیٰ مقام حاصل ہے ۔ یہ فارسی ادب کی مشہور کتاب گلستان سعدی کا ترجمہ ہے جو اپنی سلاست روانی اور اثر آفرینی کے اعتبار سے اس کا وہی مرتبہ ہے جو فارسی ادب میں گلستان سعدی کو حاصل ہے ۔ مضمون کو نثر میں اس خوبی سے پیش کیا ہے کہ زبان فارسی کا سوز و اثر بھی اس میں آگیا ۔ مختلف عنوانات کے تحت یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے

حج امجد

سنہ اشاعت ۱۳۴۷ھ اس سفرنامے میں امجد نے حج کی وجہ تحریک سے لے کر سفر کی ساری تفصیلات واپسی کے وقت تک تحریر کی ہے سفر سے واپسی کے بعد یہ کتاب لکھی گئی ۔ جن تفصیلات اور جزئیات سے کام لیا گیا وہ حیرت انگیز ہیں ۔

پیام امجد

پہلا ایڈیشن ۱۳۶۷ھ اور دوسرا ۱۳۸۱ھ میں شائع ہوا۔ پروفیسر رضی الدین صدیقی کا کہنا ہے کہ جس طرح سرسید نے حالی کی مسدس کو اپنی طرف سے بارگاہ قدوس میں پیش کرنے کے قابل سمجھا تھا اس طرح میں بھی پیام امجد کی تحریک اور اس کی تکمیل کو اپنی تمام عمر کا کارنامہ سمجھتا ہوں اس میں جناب امجد نے قرآن حکیم کی آیات کی توضیح و تشریح اپنی سمجھ کے مطابق کی ہے اور اس سلسلہ میں اپنی مخصوص طرز نثر کے علاوہ ہر جگہ رباعیاں اور قطعہ بھی لکھے ہیں۔ اس کتاب میں پیام قدیم کو طرز جدید میں امجد نے پیش کیا ہے جو ان کی نثر نگاری کے منفرد رنگ میں ایک وقیع تخلیق ہے۔

حکایات امجد

سنہ اشاعت ۱۳۵۲ھ م ۱۹۳۳ء دوسرا ایڈیشن ۱۳۸۳ھ م ۱۹۴۶ء میں نکلا اس کتاب میں آٹھ عنوانات پر حکایات کے نام سے امجد نے قرآن و حدیث کی روشنی میں نصیحتیں کی ہیں۔ حضرت امجد ایک صوفی آدمی تھے انہوں نے اس دار فانی کے ہر واقعہ کو عالم لافانی کی میزان میں

تولا اور ہر دنیوی معاملہ میں قرآن وحدیث سے رہبری حاصل کی یوں سمجھیے کہ اصلاح نفس کی تلقین کا جذبہ ان کی اس ساری کتاب پر چھایا ہوا ہے۔

میاں بیوی کی کہانی

سنہ اشاعت ۱۳۶۵ھ م ۱۹۴۶ء اس مختصر رسالہ میں حضرت امجد نے ایک فرضی قصہ پیش کیا ہے جو ایک بد مزاج بے دین شوہر اور منکسر مزاج دین دار بیوی کی ازدواجی زندگی کی روئیداد ہے اس رسالہ میں میاں بیوی کے اس قصے کے دوران امجد نے اپنی متعدد رباعیوں اور دو ایک نظموں کو شامل کر کے تبلیغ دین کا فرض ادا کیا ہے۔ بعد میں چند قطعات بھی درج کئے ہیں۔

ایوب کی کہانی

یہ حضرت امجد کا دوسرا رسالہ ہے جو ۱۳۶۷ھ م ۱۹۴۸ء میں طبع ہوا اس رسالہ میں حضرت ایوب کا ذکر کرتے ہوئے اپنی رباعیاں بھی درج کی ہیں اس تصنیف کا مقصد صوفیانہ انداز میں ایمان کی پختگی کا درس دینا تھا۔

مکتوبات امجد

سنہ اشاعت ۱۳۴۵ھ م ۱۹۳۷ء ہے اسے نصیر الدین ہاشمی نے شائع کیا یہ خطوط سادہ سلیس اور رواں نثر میں لکھے گئے ہیں۔ اگرچہ ان مکتوبات میں پند و نصائح کے دفتر نہیں لیکن ان کی خدا اور رسول سے وابستگی کا اظہار ہوتا ہے۔

باب سوم: کلام امجد میں تلمیحات

الست بربکم

ماخوذ معارف القرآن - عہد الست کی تفصیل و تحقیق اس آیت میں اس عظیم الشان عالمگیر عہد و پیمان کا ذکر ہے جو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان اس وقت ہوا جب کہ مخلوق اس جہان کون و فساد میں آئی بھی نہ تھی جس کو عہد الست یا عہد الست کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے عالم کا نظام ایسا بنایا ہے کہ ہر چیز کا ایک ضابطہ اور قانون ہے۔ قانون کے مطابق چلنے والوں کے لئے ہر طرح کی دائمی راحت اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے ہر طرح کا عذاب مقرر ہے۔ پھر خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے اس کا ذاتی علم محیط کافی تھا۔ جو عالم کے ذرہ ذرہ پر حاوی ہے اور اس کے لئے کھلے اور چھپے ہوئے تمام اعمال و افعال بلکہ دلوں میں پوشیدہ ارادہ تک بالکل ظاہر ہیں۔ اس لئے کوئی ضرورت نہ تھی کہ نگران مقرر کئے جائیں۔ اعمالنامے لکھے جائیں۔ اعمال تولے جائیں۔ اور گواہ کھڑے کئے جائیں۔ لیکن اس نے اپنے فضل و کرم سے یہ بھی چاہا کہ کسی کو اس وقت تک سزا نہ دیں جب تک دستاویزی ثبوت اور ناقابل انکار شہادتوں سے اس کا جرم کھل نہ جائے کہ وہ خود بھی اپنے مجرم ہونے کا اقرار کرے اور اپنے آپ کو مستحق سزا سمجھ لے اس کے لئے ہر انسان

کے ساتھ اس کے ہر عمل اور ہر قول کو لکھنے والے فرشتے مقرر فرما دئے پھر محشر میں میزان عدالت قائم فرما کر انسان کے اعمال بد کو تولا جائیگا۔ اور اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا تو نجات پائے گا۔ اور اگر گناہوں اور جرائم کا پلہ بھاری ہوگیا تو گرفتار عذاب ہوگا۔ اس کے علاوہ جب احکم الحاکمین کا دربار عام محشر میں قائم ہوگا۔ ہر ایک کے عمل پر شہادتیں لی جائیں گی بعض مجرم گواہوں کی تکذیب کریں گے تو اس کے ہاتھ پاؤں اور اعضاء و جوارح سے اور اس زمین مکان سے جس میں یہ افعال کئے تھے متکلم کر گواہی لی جائیگی وہ سب بحکم خداوندی گویا ہو کر صحیح صحیح بتلا دیں گے۔ یہاں تک کہ مجرم کو انکار و تکذیب کا کوئی موقع باقی نہ رہیگا اس طرح غافل انسان کو بیدار کرنے اور عمل صالح پر لگانے کے لئے ایک انتظام رب العالمین نے یہ بھی فرمایا کہ افراد، جماعتوں اور قوموں سے مختلف اوقات اور حالات میں اپنے انبیاء علیہ السلام کے ذریعہ عہد و پیمان لے کر ان کو قانون کی پابندی کے لئے تیار کیا گیا۔

ہر نبی و رسول کی امت سے اس کا معاہدہ لیا گیا۔ وہ اپنے اپنے انبیاء کا اتباع کریں گے مقصد ان کا یہ ہے کہ انسان جو کثیر النسیان ہے اکثر اپنے فرائض کو بھول جاتا ہے۔ ان کو بار بار معاہدات کے ذریعہ ہوشیار کیا گیا تاکہ وہ

ان کی خلاف ورزی کر کے تباہی میں نہ پڑ جائیں۔

انبیاء علیہ السلام اور ان کے نائب علماء اور مشائخ میں بھی بیعت لینے کا دستور رہا ہے۔ وہ بھی اسی سنت الٰہیہ کا اتباع ہے الست بربکم میں اس عالمگیر معاہدہ کا ذکر ہے جو تمام اولاد آدم سے اس دنیا میں آنے سے پہلے ازل میں لیا گیا جو عام زبانوں میں عہد الست کے نام سے معروف و مشہور ہے۔ یہ عہد ان تمام لوگوں کے لئے شامل تھا جو آدم علیہ السلام کے واسطے سے اس دنیا میں پیدا کئے جائیں گے۔ روایات احادیث میں اس عہد الست بربکم کی کچھ مزید تفصیلات آئی ہیں۔ امام مالک۔ ابوداؤد ترمذی اور امام احمد نے بروایت مسلم بن یسار نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے فاروق اعظم رضؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تھا۔ آپؐ سے جو جواب میں نے سنا وہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر اپنا دست قدرت ان کی پیشت پر پھیرا تو ان کی پیشت سے جو نیک انسان پیدا ہونے والے تھے وہ نکل آئے تو فرمایا۔ ان کو میں نے جنت کے لئے پیدا فرمایا ہے اور یہ جنت ہی کے کام کریں گے پھر دوسری دفعہ ان کی پیشت پر ہاتھ پھیرا تو جتنے گناہ گار بدکردار انسان ان کی نسل سے پیدا ہونے والے تھے۔ ان کو نکال کھڑا کیا اور فرمایا ان کو میں نے دوزخ

کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ دوزخ میں جانے ہی کے کام کریں گے۔ صحابہ میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ جب پہلے ہی جنتی اور دوزخی متعین کر دئے گئے تو پھر عمل کس مقصد کے لئے کرایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان کو معلوم نہیں کہ کس طبقہ میں داخل ہے تو اس کو اپنی توانائی قدرت و اختیار ایسے کاموں پر خرچ کرنا چاہئے جو اہل جنت کے کام ہیں اور یہی امید رکھنی چاہئے کہ وہ انہیں میں سے ہوگا۔

اس عہد الست بربکم کے متعلق چند چیزیں قابل غور ہیں اول یہ کہ یہ عہد و اقرار کس جگہ اور کس وقت لیا گیا۔ دوسرے یہ کہ جب اقرار اس حال میں لیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا انسان پیدا بھی نہیں ہوا تھا تو ان کو یہ عقل و فہم کیسے حاصل ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانیں اور ان کے رب ہونے کا اقرار کریں کیونکہ ربوبیت کا اقرار وہ کر سکتا ہے جس نے شان تربیت کا مشاہدہ کیا ہو اور یہ مشاہدہ اس دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ عہد و اقرار اس وقت لیا گیا جب آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا اور مقام اس کا وادی نعمان ہے جو میدان عرفات کے نام سے معروف اور مشہور ہے۔ (تفسیر مظہری)۔

رہا دوسرا سوال کہ یہ نئی مخلوق جس کو ابھی وجود عنصری بھی پوری طرح عطا نہیں ہوا تھا وہ کیا سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارا کوئی پیدا کرنے والا پروردگار بھی ہے ایسی حالت میں ان سے سوال کرنا بھی ایک قسم کی ناقابل برداشت تکلیف ہے اور وہ جو رب بھی کیا دے سکتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ خالق کائنات جس کی قدرت نے تمام انسانوں کو ایک ذرہ کی صورت میں پیدا فرمایا اس کے لیے یہ کیا مشکل ہے کہ اس نے ان کو معقل و فہم شعور و ادراک بھی اس وقت بقدر ضرورت دیدیا ہو اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اس مختصر وجود میں انسان کے تمام قویٰ جمع کر دیا تھا۔ جن میں سب سے بڑی قوت معقل و شعور ہے۔

یہاں ایک تیسرا سوال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ازلی عہد و پیمان کتنا ہی یقینی اور صحیح کیوں نہ ہو مگر کم از کم یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اس دنیا میں آنے کے بعد یہ عہد کسی کو یاد نہیں رہا تو پھر عہد کا کیا فائدہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اسی نوع بنی آدم میں بہت سے ایسے افراد بھی ہیں جنھوں نے یہ اقرار کیا ہے کہ ہمیں یہ عہد پوری طرح یاد ہے حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا یہ عہد میثاق مجھے ایسا یاد ہے گویا اس وقت سن رہا ہوں اور بعض نے یہاں تک کہدیا ہے کہ مجھے یہ بھی یاد ہے

کہ جس وقت یہ اقرار کیا گیا میرے آس پاس کون کون لوگ موجود تھے دراصل
اس اقرار نے ہر انسان کے دل میں معرفت حق کا ایک بیج ڈال دیا جو پرورش
پا رہا ہے ۔ چاہے اس کو خبر ہو یا نہ ہو اور اسی بیج کے پھل پھول ہیں کہ ہر انسان
کی فطرت میں حق تعالیٰ کی محبت و عظمت پائی جاتی ہے ۔ خواہ اس کا ظہور
بت پرستی اور مخلوق پرستی کے کسی غلط پیرایہ میں ہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد ہے کہ ہر پیدا ہونے والا دین فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے
پھر اس کے ماں باپ اس کو دوسرے خیالات میں مبتلا کر دیتے ہیں مثلاً
بچہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان
میں اقامت و تکبیر کہنے کی سنت جو ہر مسلمان جانتا ہے اور یہ پورے عالم
اسلام میں جاری ہے اگرچہ بچہ نہ کلمات کے معنیٰ سمجھتا ہے نہ اس کو بڑا
ہونے کے بعد یاد رہتا ہے کہ میرے کان میں یہ الفاظ کہے گئے تھے اس کی حکمت
یہی تو ہے کہ اس کے ذریعہ اس اقرار ازلی کو قوت پہونچا کر کانوں کی راہ سے
دل میں ایمان کی تخم ریزی کی جائے ۔ اور بعض آیتوں میں اسی مضمون کا بیان
اس طرح آیا ہے کہ ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ
غفلت اور کج روی سے باز آجائیں ۔ مراد یہ ہے کہ آیات الٰہیہ میں

ذرا بھی غور کریں تو وہ اس عہد میثاق کی طرف لوٹ آئیں گے جو ازل میں کیا گیا تھا۔ امجد کہتے ہیں۔

بھرا ہے کانوں میں میرے دبتک
وہ راگ الست بربکم کا

امجد کہتے ہیں کہ دبتک میرے کانوں میں الست بربکم کا راگ بھرا ہے میں اسے کبھی بھلا نہیں سکتا جب کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت آدم کے جسد خاکی میں روح پھونکی تو اس وقت وہ تمام روحیں بھی خلق کیں جو قیامت تک دنیا میں آنے والی تھیں۔ ان روحوں کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا الست بربکم کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں۔ تمام روحوں نے ایک زبان ہو کر کہا بلیٰ بے شک تو ہمارا رب ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اس اقرار کو لکھوا کر فرشتوں سے گواہی لی۔ اور اس اقرار نامہ کو حجر اسود میں محفوظ کروایا۔ وہ دن روز میثاق یعنی پروردگار کی الوہیت پر قول و قرار کا دن کہلاتا ہے اس روز کو الست کہتے ہیں۔

ابجد

عربی حروف تہجی کو ابجد کہا جاتا ہے یہ آٹھ کلموں میں کل اٹھائیس حروف ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ابجد کے حروف کی ترتیب حضرت آدم نے دی تھی ان کے بعد حضرت ادریسؑ نے اب حضرت ادریس کی ترتیب دی ہوئی ابجد جاری ہے اس میں آٹھ بامعنیٰ کلمے ہیں جن میں سارے حروف ہجا آتے ہیں ابجد ادریس کے آٹھ کلمے ہیں۔ ابجد۔ ھوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت ثخذ اور ضظغ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ حروف ہجا نبطوں سے حاصل ہوئے تھے۔ اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ ان کلموں کو مدین کے بادشاہوں نے اپنے نام سے ترتیب دیا تھا اور بعض کا خیال ہے کہ شروع کے چھ کلمے قرشت تک شیاطین کے نام ہیں۔ کچھ لوگ ان کو ہفتہ کے دنوں کے نام بھی قرار دیتے ہیں۔

ابجد

مٹایا لوحِ دل سے نقشِ ناموسِ اب و جد کا
داستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

افلاطون

افلاطون یونان کے مشہور حکیم کا نام تھا اس کی دانائی اور فلسفہ سے
اس کو بہت مقام حاصل ہے کنایتہً ذہین آدمی کو افلاطون یا
یا افلاطون زماں کہتے ہیں ہیکڑ اور زعم آمد آدمی کو یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ بڑے
افلاطون بنے پھرتے ہیں
یونان کا یہ مشہور حکیم اور فلسفی ارسطو کا استاد اور سقراط کا شاگرد تھا سنہ ۴۲۷ ق م
کے لگ بھگ پیدا ہوا تھا بیس برس کی عمر تک شعر و شاعری کی طرف متوجہ رہا
اس زمانے کے لکھے ہوئے شاعرانہ مثنویاں اور کئی دیوان ملتے ہیں
اس کے بعد فلسفہ اور حکمت کی طرف مائل ہو گیا اور آٹھ سال تک سقراط کی
خدمت میں رہا جب سقراط کا انتقال ہو گیا تو اس نے ایک درسگاہ
قائم کی اور آخر عمر تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا یہ حکیم
دانا خوش آواز اور شیریں بیان تھا اکثر عورتیں تک مردوں کا بھیس بدل
کر اس کی گفتگو سننے آیا کرتی تھیں اس کی تالیفات "فلسفیات افلاطونہ"
کے نام سے مشہور ہیں ان میں ۳۵ مباحث اور ۱۳ مکتوبات ہیں
جو مختلف فنون طبعیات، سیاست، علم تہذیب، اخلاق اور
منطق وغیرہ پر مشتمل ہیں صاحب غیاث اللغات نے لکھا ہے کہ

"پرس کی عمر میں افلاطون ریگ زار کے خم (ٹیلے) میں بیٹھ گیا تھا شاگردوں نے خم کا منہ بند کر کے اس کی وصیت کے مطابق ریگ بیابانی غار میں رکھ دیا پھر نہیں معلوم اس کا حشر کیا ہوا۔ امید کہتے ہیں کہ

زمانے بھر میں چرچا علم کا ہے۔
میر ابجد خواں افلاطون بن گیا ہے۔

امید کہتے ہیں کہ زمانے بھر میں اب علم کا چرچا ہے۔ ہر طرف دیکھو لوگ تعلیم حاصل کرنے سکھنے اور سکھانے کی طرف مشغول ہیں۔ اور کچھ معمولی تعلیم یافتہ ہیں اپنے آپ کو افلاطون سمجھ رہا ہے جس کو ابجد کا تک صحیح علم نہیں ہے وہ افلاطون بننے کی کوشش کر رہا ہے۔

اُحد

غزوہ احد کا شمار مشہور غزوات میں ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ کفار قریش کو بدر کی شکست اور بڑے بڑے سرداروں کے قتل کئے جانے کا سخت رنج پہونچا تھا اس لئے ایک بھاری لشکر مرتب کر کے انتقام کے ارادہ سے مدینہ پر فوج کشی کی آپ کی مرضی مدینہ سے باہر جانے کی نہ تھی ارادہ یہ تھا کہ شہر میں رہ کر دشمنوں کی حملے کی مدافعت کیجائے مگر اکثر صحابہ رض حضرت حمزہ اور سعید بن عبادہ و دیگر حضرات اوس و خزرج کا یہ مشورہ ہوا کہ باہر نکل کر لڑیں ہر چند کہ بعض صحابہ رض انصار نے یہ بات بھی کہی کہ تجربہ ہوا کہ جب کوئی لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا ہے اور مدینہ میں رہ کر مدافعت کی گئی ہے تو فتح اہل مدینہ کی ہوئی ہے اور باہر نکل کر لڑائی میں اہل مدینہ کی فتح نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ہرگز باہر تشریف لے جانے کی نہ تھی لیکن مذکورالصدر اصحاب کے اصرار پر باہر نکل کر مقابلہ کیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی

کے خلاف دولت خانہ میں زرہ پہن کر باہر تشریف لائے
اس وقت حضرات صحابہ نے یہ سوچا کہ حضورؐ کی مرضی کے خلاف
اصرار مبارک نہیں لہٰذا عرض کیا کہ اگر آپ کا دل باہر جانے کو نہیں
چاہتا ہے تو بہتر ہے مدینہ میں ٹھہر کر لڑائی کیجئے آپؐ نے فرمایا
جب پیغمبر اپنے کو سلاح جنگ سے آراستہ کرلے تب روا
نہیں کہ قبل از جنگ پیغمبر حکم الٰہی کے سلاح کھولے چنانچہ آپ
باہر روانہ ہوئے اور فرمایا کہ تم اگر ثابت قدم رہو گے خدائے تعالیٰ
تمہیں فتح دے گا جبل احد سے متصل دونوں لشکروں کا مقابلہ
ہوا لشکر اسلام کی پشت پر دو پہاڑوں کے درمیان ایک راستہ
تھا چنانچہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ دشمن پشت پر آکر حملہ
نہ کردیں لہٰذا آپؐ نے عبداللہ بن زبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں
کے ساتھ وہاں متعین کر دیا اور کہا کہ اس درّے کی تم نگرانی رکھو
اگر کفار ادھر سے آنے کا ارادہ کریں تو تم تیروں کی بارش کر کے
ان کو روکنا اور کسی حال میں خواہ ہماری فتح ہو یا شکست تم اس

جگہ سے مت ہٹنا جنگ شروع ہوئی شجاعان لشکر اسلام
داد مردانگی دی اور خون کفار سے میدان کو لالہ زار کر دیا کافروں
نے کئی مرتبہ درے کی جانب سے حملہ کرنا چاہا مگر عبداللہ بن زبیر رضؓ
کے تیر انداز دستے کے باعث قابو نہ چلا بالآخر کفار کو ہزیمت
ہوئی لشکر اسلام آگے بڑھا اور لوگ مال غنیمت کو لوٹنے میں
مشغول ہوئے تب عبداللہ بن زبیر رضؓ کے دستے والے بھی آگے بڑھے
عبداللہ بن زبیر رضؓ نے بہت منع کیا نہ مانے کل دس آدمی ان کے ساتھ رہ گئے
تب خالد بن ولید نے جو اس زمانے میں کافر تھے درے کی جانب سے مفرور
کافروں کو جمع کر کے حملہ کیا عبداللہ بن زبیر رضؓ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مقابلہ
کر کے شہید ہو گئے بہر حال کفار نے ایسا غلبہ پایا کہ اہل اسلام حیران رہ گئے
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر کئی زخم آگے چہرہ مبارک
خون آلودہ ہوا سامنے کا دندان مبارک پتھر لگنے سے شہید ہوا اور ایک
کافر آپ تک پہونچ گیا اور اس نے تلوار ماری آپ زخم کی تکلیف کے
باعث اور اس سبب سے ایک غار میں گر پڑے اس پر اس کافر نے پکار
کر کہا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا شیطان نے یہی جعل بن سراقہ

کی صورت بنا کر سارے لشکر میں اس خبر کو مشہور کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مقتول ہو گئے تب اکثر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور شکست کی صورت پیدا ہو گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دو زرہیں پہنے ہوئے تھے نیچی جگہ سے اوپر چڑھنا چاہتے تھے زخموں سے آپ کو جو ضعف ہو گیا تھا اور زرہوں کے بوجھ کے سبب سے آپ چڑھ نہ سکے حضرت طلحہ کے کندھوں پر پیر رکھ کر اوپر چڑھ گئے حضرت بی بی فاطمہ رضی بھی وہاں پہونچ گئیں انہوں نے بورے کا ٹکڑا جلا کر زخم میں بھرا تب خون بند ہوا۔ اس ہنگامے میں ستر صحابی شہید ہوئے سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اس غزوہ میں شہید ہوئے۔

حضرت علی رضی سے روایت ہے کہ معرکہ جنگ میں جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا تو مجھے گمان ہوا کہ اللہ نے ہم سے ناخوش ہو کر اپنے پیغمبر کو آسمان پر اٹھا لیا اور میں نے کہا کہ اب زندگی میں کیا لطف ہے تلوار لے کر کفار کے غول میں بہ نیت حصول شہادت گھس گیا اور تلوار مارتے مارتے غول کو پریشان کر دیا۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر پڑی تو حضور کے پاس پہونچ کر حیات

تازہ حاصل کی - جو صحابہ کے غزوہ احد میں بھاگ گئے تھے ان کا قصور
اللہ نے معاف فرما دیا اس لئے کہ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے مخلص اور جان نثار تھے یہ قصور ان سے بمقتضائے بشریت
ہو گیا تھا قرآن مجید میں آیت عفو / موجود ہے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اور جو اصحاب وہاں موجود تھے پہاڑ پر چڑھ گئے کافروں نے
کئی چڑھنا چاہا آپ نے دعا مانگی یا الٰہی یہ چڑھ نہ سکیں خدا تعالیٰ نے
انہیں روک دیا کہ وہ چڑھ نہ سکے -

کافروں کی مراجعت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ سے اتر
اور مقتولین میں حضرت حمزہ کو اس حالت میں دیکھ کر بہت ملول ہوئے
پھر ان مقتولین کے لیے غسل و کفن انہیں خون آلودہ کپڑوں میں دفن کر دیا اور ایک
ایک قبر میں دو دو شہیدوں کو دفن کیا اور جس کو قرآن شریف زیادہ یاد تھا
اسے آگے کیا بعد ازاں مدینہ کو واپس ہوئے مدینہ میں احوال جنگ سن کر
بہت غم منایا جا رہا تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں
جو خبر مشہور ہو گئی تھی اس کا صدمہ تمام اہل مدینہ کو تھا سب آپکی ہی کی
صحت اور سلامتی کے بارے میں دریافت کر رہے تھے - اپنے عزیز

وہم و قیاس کسی کو اتنا خیال نہ تھا۔ اللہ جل شانہٗ نے شہدائے احد کیلئے آیتیں نازل کی ہیں۔ کہ خدا کے نزدیک وہ زندہ ہیں انہیں مردہ مت سمجھو خدائے تعالیٰ کے پاس سے وہ رزق پاتے ہیں اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ اللہ شہیدوں کے ارواح کو سبز پرندوں کے قالب میں رکھ کر اجازت دی ہے کہ بہشت میں جہاں چاہیں سیر کریں جو چاہیں کھائیں صحیح حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ اللہ نے شہیدوں کو اپنے حضور میں بلا کر ان سے کلام کیا۔ اس غزوہ کا وقوع گیارھویں شوال کو ہوا۔ شب برات میں آپ نے شہداء احد کیلئے استغفار کیا۔ اور یہ مسنون ہے۔

امجد
احد کے کوہ پہ ہر وقت باراں رحمت ہے
ادھر عین السنا یا ہے ادھر دریائے رحمت ہے

احد مدینہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ سے تقریباً ۲ میل کے فاصلہ پر ہے اسی مقام پر مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان معرکہ حق و باطل گرم ہوا تھا یہ غزوہ احد کے نام سے مشہور ہے اس غزوہ میں حضورؐ کا دندان مبارک شہید ہوا تھا۔ مشرکین نے یہ دیکھ کر کہ خیر اللہ کہ محمد کا انتقال ہو گیا ہے اس آواز کو سنتے ہی مسلمانوں میں سخت بے چینی شروع ہوئی لیکن جب گرد و غبار کم ہوا اور انہوں نے حضور کو حیات دیکھا تو پھر سنبھل گئے۔

اِنّی وَجّہتُ

کون مسلمان عیسائی یا یہودی ایسا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے واقف نہ ہو دنیا کی دو تہائی سے زیادہ آبادی ان کو پیشوا مانتی ہے۔ حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تینوں انہیں کی اولاد سے ہیں انہیں کی روشن کی ہوئی شمع سے دنیا بھر میں ہدایت کا نور پھیلا ہے۔ چار ہزار برس سے زیادہ مدت گذری جب وہ عراق کی سرزمین میں پیدا ہوئے تھے اس وقت ساری دنیا خدا کو بھولی ہوئی تھی روئے زمین پر کوئی ایسا انسان نہ تھا جو اپنے اصل مالک کو پہچانتا اور صرف اس کے آگے اطاعت و بندگی میں سر جھکاتا ہو جس قوم میں انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں وہ اگرچہ اس زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم تھی۔ لیکن گمراہی میں بھی وہی سب سے آگے تھی۔ پجاریوں کے گروہ کے ساتھ بادشاہوں کی ملی بھگت تھی عام لوگوں کو اپنا بندہ بنا کر رکھنے میں بادشاہ پجاریوں کے مددگار تھے۔

ایک طرف حکومت ان پجاریوں کی پشت پناہی کرتی تھی اور دوسری طرف یہ پجاری لوگوں کے عقیدے میں یہ بات بٹھاتے تھے کہ بادشاہ وقت بھی خداؤں میں سے ایک خدا ہے۔ اس طرح رعایا کے دل و دماغ پر خدائی کا خیال

سلط کیا جاتا ۔ ایسے زمانے اور ایسی قوم میں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور لطف یہ ہے کہ جس گھرانے میں پیدا ہوئے وہ خود پجاریوں کا گھرانہ تھا ان کے باپ دادا اپنی قوم کے پنڈت اور برہمن تھے اس گھر میں وہی تعلیم وہی تربیت ان کو مل سکتی تھی جو ایک پنڈت زادے کو ملا کرتی ہے اس قسم کی باتیں بچپن سے کانوں میں پڑتی تھیں ۔ وہ پیروں اور پیر زادوں کے رنگ ڈھنگ اپنے بھائی بندوں اور برادری کے لوگوں میں دیکھتے تھے ۔ وہی مندر کی گدی ان کے لئے تیار تھی جس پر بیٹھ کر وہ اپنی قوم کے پیشوا بن سکتے تھے وہی نذر و نیاز جس سے ان کا خاندان مالا مال ہو رہا تھا ان کے لئے یہی حاضر تھا ۔ مگر حضرت ابراہیم ؑ کوئی معمولی آدمی نہ تھے کسی اور ہی مٹی سے ان کا خمیر بنا تھا ہوش سنبھالتے ہی انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ سورج چاند اور تارے جو خود غلاموں کی طرح گردش کر رہے ہیں اور یہ پتھر کے بت جن کو آدمی خود اپنے ہاتھ سے بناتا ہے اور یہ بادشاہ جو ہم ہی جیسے انسان ہیں آخر یہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں جو بہت اپنے اختیار سے جنبش نہیں کر سکتے جن میں آپ اپنی مدد کرنے کی قدرت نہیں جو زندگی موت و زیست کے بھی مختار نہیں ۔ ان پاس کیا ہے کہ جو انسان ان کے آگے عبادت میں سر جھکائے ان سے اپنی حاجتیں مانگے ان کی طاقت سے

خوف کھائے اور ان کی خدمتگاری و فرمانبرداری کرے زمین اور آسمان کی جتنی
چیزیں ہمیں نظر آتی ہیں یا جن سے کسی طور پر ہم واقف ہیں ان میں سے تو کوئی بھی
ایسی نہیں جو خود محتاج نہ ہو جو خود کسی طاقت سے دبی ہوئی نہ ہو اور جس پر
کبھی نہ کبھی زوال نہ آتا ہو پھر جب ان سب کا یہ حال ہے تو ان میں سے کوئی رب
کیسے ہو سکتا ہے جب ان میں سے کسی نے مجھ کو پیدا نہیں کیا نہ کسی کے ہاتھ میں
میری موت و زیست کا اور نفع و نقصان کا اختیار ہے نہ کسی کے ہاتھ میں
رزق اور حاجت روائی کی کنجیاں ہیں تو میں ان کو رب کیوں مانوں۔ اور کیوں
ان کے آگے بندگی و اطاعت میں سر جھکاؤں۔ میرا رب تو وہی ہو سکتا ہے جس
نے سب کو پیدا کیا جس کے سب محتاج ہیں اور جس کے اختیار میں سب کی موت
و زیست اور سب کا نفع نقصان ہے یہ دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ نے قطعی
فیصلہ کر لیا کہ جن معبودوں کو میری قوم پوجتی ہے میں ان کو ہرگز نہ پوجونگا اور
اس فیصلہ پر پہونچنے کے بعد انہوں نے علی الاعلان لوگوں سے کہدیا کہ انی بری
مما تشرکون جن کو تم خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں
انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من
المشرکین۔ میں نے سب سے منہ موڑ کر اس ذات کو عبادت و بندگی کے لئے

خاص کر لیا ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والا نہیں ہوں۔

امجد
چشم حق سے کام لونگا ایک دن
انی وجھت بھی کہونگا ایک دن۔

امجد کہتے ہیں کہ چشم حق سے کام لونگا ایک دن جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے چشم حق سے کام لے کر باطل معبودوں کو ٹھکرایا تھا اور ان کی اطاعت و بندگی سے انکار کیا تھا اور آخر میں صاف اعلان کر دیا کہ میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں اس طرح امجد بھی کہتے ہیں کہ میں چشم حق سے کام لونگا ایک دن اور انی وجھت بھی کہونگا ایک دن۔ انی وجھت کی تلمیح اس میں مستعمل ہے یہ وہ آیت ہے جس کو ابراہیم علیہ السلام نے برأت کے لیے پڑھا تھا۔ اور اب ہر نماز کے آغاز کے وقت انی وجھت پڑھ کر نماز کی نیت باندھی جاتی ہے۔ گویا ہر مصلی نماز پڑھنے والا اس اعلان برأت کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس کا زبان سے اقرار کرتا ہے کہ میں مشرک نہیں ہوں۔ میں ایک خدا کو ماننے والا ہوں اور اسی کی بندگی کے لیے کھڑا ہوں۔

ابو ایوب

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہونچے محلہ قبا میں بنائل بنی عمر بن عوف میں ٹھہرے یہاں آپ کا داخلہ دوشنبہ کے دن بارھویں ربیع الاول کو ہوا آپ وہاں چودہ دن رہے حضرت علی رضؓ امانتیں ادا کرکے آپ کے پہونچنے کے تیسرے دن محلہ قبا میں حضور سے جا ملے یہ محلہ شہر مدینہ کے کنارے پر تھا مسجد قبا جس کا ذکر اس آیت میں ہے لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ - یعنی بیشک وہ مسجد جس کی بنیاد تقوی پر ہوئی پہلے ہی دن سے اس بات کے لائق ہے کہ تم اس میں نماز پڑھو اسی جگہ نبی جبتک آپ وہاں رہے اسی مسجد میں نماز پڑھتے رہے - پھر آپ نے اندرون شہر تشریف لیجانے کا ارادہ کیا شہر کے لوگ اس بات کے بہت زیادہ متمنی تھے اور ہر ایک کی آرزو یہی تھی کہ آپ ہمارے محلہ میں تشریف رکھیں جب آپ سوار ہوئے ہر قبیلہ کے لوگ ساتھ ہوئے اور وہی درخواست زبانا ہر تھی آپ نے فرمایا کہ میری اونٹنی مامور ہے یہ جہاں بیٹھ جائیگی وہیں مقیم ہونگا اونٹنی چلتے چلتے وہاں آ

بیٹی جہاں اب مسجد شریف کا ممبر ہے اس جگہ سے متصل حضرت
ابو ایوب انصاری کا گھر تھا وہاں آپ کا اسباب اتار کر رکھا
گیا اور آپ نے ابو ایوب رضہ کے گھر قیام فرمایا وہ شاہ مول کی
اولاد میں تھے شاہ مول ان چار سو عالموں کا سردار تھا جو بادشاہ یمن کے
مصاحب تھے اہل سیر نے لکھا ہے کہ بادشاہ موصوف کا گذر اس زمانے میں
ارض پاک مدینہ پر ہوا تھا جب ابھی مدینہ آباد نہ تھا وہاں ایک چشمہ جاری تھا
ان عالموں کو معلوم ہوا کہ یہ جگہ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ
ہوگی چنانچہ وہ لوگ یہیں آباد ہو گئے۔ اس طرح وہاں ایک بستی بس گئی
انصار انہیں کی اولاد میں سے ہیں بادشاہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس
نے چاہا کہ خود بھی وہاں بس جائے مگر کاروبار سلطنت کے باعث
وہاں آباد نہ ہو سکا اور اپنے مصاحبوں کو رہنے دیا اور ایک ایمان
نامہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لکھ کر شاہ مول کو دیا
کہ تم اپنی اولاد کو وصیت کر دینا کہ ان میں سے جو کوئی جناب پیغمبر آخر الزماں
کا زمانہ پائے ان کو میرا سلام اور یہ نامہ پہونچا دے وہ نامہ حضرت
ابو ایوب رضہ کے گھر آیا [illegible] چنانچہ انہوں نے جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچا دیا حضرت ابو ایوب رضؓ شاہ دل
کی اکسوین پشت میں تھے جس گھر میں آپ ٹھہرے تھے یہ گھر بھی
اسی بادشاہ نے بنوا دیا تھا کہ جب آپ تشریف لائیں وہاں ٹھہریں
آپ نیچے کے حصہ میں ٹھہرے اور ابو ایوب رضؓ کے عیال و اطفال
بالاخانے پر رہے پھر ابو ایوب اور ان کی زوجہ ام ایوب کو
خیال ہوا کہ یہ امر بے ادبی میں داخل ہے چنانچہ اسی خیال سے انہیں رات
بھر نیند نہیں آئی صبح اصرار کر کے آپ کو بالاخانے پر مقیم کیا اور خود
نیچے حصہ میں رہنے لگے - جس جگہ اونٹنی بیٹھی تھی وہ دو یتیموں کی تھی
جو سعد بن خزارہ کی پرورش میں تھے آپ نے ابو بکر رضؓ کے مال سے دس دینار میں
وہ زمین خریدی چنانچہ اسی زمین پر حجرے شریف اور مسجد شریف بنی

نصیب ابو ایوب کا اک بار چمکا
امجد وہیں ناقہ ٹھہرا رسول امم کا
اتر آیا ساحل پہ دریا کرم کا
دو عالم سے دھویا گیا نقش غم کا
محبت نے آخر محمد کو کھینچا
دی جذب نے اپنے مقصد کو کھینچا

ایک اور جگہ امجد کہتے ہیں کہ

گھر میں وہ مہ تمام آیا
ایوب کا صبر کام آیا۔

امجد کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے جانے کے بعد شہر مدینہ میں ہر کوئی یہ خواہش کرتا کہ حضور میرے گھر مہمان ہوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ میری اونٹنی جس جگہ بیٹھے گی میں اسی جگہ اپنا مقام بناؤں گا چنانچہ یہ شرف حضرت ابو ایوب انصاری کو حاصل ہوا کہ ناقہ ابو ایوب کے مکان کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابو ایوب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کافی محبت تھی جس کو حضرت امجد نے شعر میں کہا کہ محبت نے آخر محمد کو کھینچا دلی جذب نے اپنے مقصد کو کھینچا۔

اسم اعظم

اسم اعظم اللہ تعالیٰ کا بزرگ اور برتر نام ہے اور یہ قبولیت دعا کے لئے اور دعا کے وقت اسم اعظم پڑھنا اور دعا کرنا بالضرور قبولیت کا وسیلہ ہے علماء محدثین اور مفسرین نے اسم اعظم اور نام معظم کی تحقیق و تدقیق میں بے حد کوشش کے بعد چند روایتیں نقل کی ہیں۔

تفسیر کبیر میں حضرت ابن عباس رضؓ سے منقول ہے کہ اعظم اسماء اللہ الحیّ القیوم ہے اسم اعظم اللہ تعالیٰ کا الحیّ القیوم۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر سخت بے چینی اور بے قراری کے عالم میں جب حضورؐ سجدے میں دعا کرتے تھے تب یا حیّ یا قیوم زبان سے تلاوت فرماتے تھے (ابوداؤد) نسائی میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک دن وہ زید بن ثابت زرقی کے پاس تشریف لے گئے۔ زید بن ثابت نماز میں مشغول تھے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان کلمات سے دعا مانگی اللھم انی اسئلک بان لک الحمد لا الہ الا انت یا منان یا بدیع السموت والارض یا ذوالجلال والاکرام یا حیّ یا قیوم ترجمہ اے اللہ میں سوال کرتا ہوں جناب سے۔ بے شک تو تعریف کے لائق ہے تو ہی عبادت کے لائق ہے۔ اے احسان کرنے والے

بے نمونہ آسمان و زمین بنانے والے ۔ عظمت اور بزرگی والے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے ۔ آپ نے یہ دعا سن کر فرمایا زید آج تم نے اسم اعظم پڑھ کر دعا مانگی ۔ یہ اسم ایسا ہے جب تم اسے پڑھ کر دعا کروگے تو ضرور تمہاری دعا قبول ہوگی اور جو کچھ مانگو گے ملے گا (ترمذی) اسماء بنت یزید کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسم اعظم دو آیتوں میں پہلی آیت الٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم دوسری آیت لا الٰہ الا ھو الحی القیوم ۔

ایک بزرگ نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا الٰہی مجھے وہ اسم اعظم جس کی برکت سے دعا قبول ہو جائے ضرور بتا دیجیے ۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ستاروں میں یہ لکھا ہوا ہے ۔ یا بدیع السمٰوٰت والارض یا ذا الجلال والاکرام ۔ خدا کی جانب سے اس بزرگ کو اسم اعظم یہ بتایا گیا (ابن ماجہ) بی بی عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا اللھم انی اسئلک باسمک الطاہر الطیب المبارک الاحب الیک الذی اذا دعیت باجبت و اذا سئلک بہ اعطیت اذا استرحمت بہ رحمت ۔ فرمایا اے عائشہ رضؓ ہمیں اللہ تعالیٰ وہ اسم اعظم بتایا ہے جن کے سبب سے دعا ضرور قبول ہوتی ہے ۔ عرض کیا یا حضرت کیا میں یہ دعا پڑھا کروں ۔ فرمایا یہ اسم اعظم عورتوں کے لائق نہیں ہے

عورتیں بے عقل ہوتی ہیں وہ اسم اعظم کا ادب نہیں کر سکیں گی ۔

حیوٰۃ الحیوان کتاب الدعا میں لکھا ہے کہ علامہ ابی بکر الولید خلیفہ منصور کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ خلیفہ کو نہایت ہی غم اور فکر میں پایا آپ کی صورت دیکھ کر خلیفہ نے کہا ۔ کیا آپ کے پاس کوئی ایسی دعا ہے جو میرے غم کو رفع دفع کر دے ۔ فرمایا میں آپکو ایسی دعا تلقین کرتا ہوں جو کاشف المشکلات دافع البلیات ہے شہر بصرہ میں کسی شخص کے کان میں مچھر گھس گیا اور دماغ تک پہونچ گیا مریض بے چارہ نہایت ہی منحل ہوا رات دن مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگا اتفاق سے خواجہ حسن بصری کے شاگرد رشید اسے دیکھنے تشریف لائے مریض کی حالت بیر علالت شدید دیکھ کر فرمایا وہ دعا کیوں نہیں پڑھتے جو حضرت علامہ حضرمی صحابی نے ایک سخت مصیبت اور حیرانی کے وقت پڑھی تھی عرض کیا للہ جلد فرمائے وہ کیا دعا ہے فرمایا جب حضرت ابو بکر صدیق نے علامہ حضرمی کو بحرین کی طرف جہاد کے لئے بھیجا تو اتفاق سے آپ کا لشکر راستہ بھول گیا اور ریگستان کی طرف نکل گیا ۔ جب دھوپ کے وقت جنگل کا ریت نہایت ہی گرم ہوا اور لشکر میں پانی ختم ہوا ۔ پیاس کی شدت سے لوگ نیم جان ہو گئے ۔ حضرت علامہ حضرمی سواری سے اترے دو گانہ

نفل پڑھا پھر جناب الٰہی میں عرض کیا یا حلیم یا علیم یا علی یا عظیم اسقنا آپکی دعا اور التجا کے ساتھ ہی ابر کا ایک ٹکڑا پیدا ہوا آن کی آن میں سارے لشکر پر پھیلا خوب زور و شور سے مینہ برسا جب لشکر والے پانی پی کر فارغ ہوئے تو ابر غائب ہوگیا۔ اے اللہ کے بندے تو بھی اس دعا کو پڑھ۔ مریض نے ایک ہی دفعہ اس دعا کو پڑھا تھا کہ پھر اس کے دماغ سے نکلتا اور جاتا ہوا سب کو نظر آیا اور اسی وقت وہ تندرست ہوگیا۔ اے امیر المومنین آپ بھی اس دعا کو پڑھیں خلیفہ منصور نے وضو کیا نماز کے بعد یہ دعا پڑھی تھوڑی دیر میں لیٹا ہوا اٹھا اور کہا الحمد للہ میرا سارا غم خدا نے غلط کر دیا۔ اسی وقت خلیفہ نے کھانا طلب کیا اور مصاحبین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ (ترغیب و ترہیب)

لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کو بھی اسم اعظم کہا ہے قبولیت دعا کے لئے اکسیر اعظم اور دافع رنج و غم ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ و ذا النون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ فنادیٰ فی الظلمات ان لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین فاستجبنا لہٗ و نجیناہٗ فی الغم و کذالک ننجی المومنین۔ (ترجمہ) جب پڑھا یونس علیہ السلام نے لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ نجات

دی ہم نے اسے غم سے اور اسی طرح تمام مسلمانوں کو نجات دیں گے۔

مرأۃ بطون و ساغر ہے یہی

امجدؔ دیکھو اپنی طرف کہ جان عالم ہے یہی

ہے عرش خدائے پاک اگر پاک ہے دل

صادق ہے زبان تو اسم اعظم ہے یہی

امجدؔ کہتے ہیں کہ اگر دل پاک و صاف ہے اور نیت ٹھیک ہے تو ایسا پاک و صاف دل عرش خدائے پاک سے کم نہیں ہے۔ اور اگر زبان صادق ہے یعنی سچی ہے اور وہ ہر وقت سچ بولتا ہے جھوٹ سے پرہیز کرتا ہے تو پھر اس کو کسی اسم اعظم کی ضرورت ہی نہیں بقول امجدؔ ۔ صادق ہے زبان تو اسم اعظم ہے یہی۔

استقلال بلال

حبشہ جزیرہ نما عرب کے جنوب میں واقع ہے یہ ملک جزیرہ اعظم آفریقہ کا دل ہے ہمیشہ سے تاریکی کے پردے میں لپٹا پایا گیا اور معاشی اور رحمانی حیثیت سے بہت پس ماندہ رہا ہے۔ مذہبی اعتبار سے حبشہ کے لوگ بھی آفریقہ کے دوسرے علاقوں کی طرح بت پرست تھے پھر عیسائی مبلغوں نے یہاں دین مسیحی کی تبلیغ کی اور اہل حبشہ کی کثیر تعداد اس نئے مذہب میں داخل ہونے لگی۔ ہوتے ہوتے ابتدائے اسلام کے وقت یہاں کے حکمران نجاشی عیسائی مذہب ہی کا پابند تھا۔ تاریخی قصے کہانیوں میں جہاں کبھی کسی حبشی کا ذکر آتا ہے غلامی کا لفظ خود تصور میں اتر آتا ہے۔ اس حبشہ سے ایک شخص رباح اور اس کی بیوی کو غلام بنا کر مکہ لایا گیا یہیں بعثت نبوی سے قریب تیس برس پہلے ان کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بلال رضؓ رکھا گیا ابو عبداللہ کنیت مشہور ہوئی۔ بلال اگرچہ مکہ میں پیدا ہوئے لیکن نسلی اعتبار سے خالصتاً حبشی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بلال رضؓ حبشہ کے پہلے مسلمان ہیں ایک اور حدیث

بھی ملتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے حبشیوں کو (سلامی گروہ میں شامل کرلو
کیونکہ تین حبشی - لقمان - نجاشی - اور بلال جنت کے سرداروں میں
سے ہیں - حضرت بلال رضؓ نے غلامی ورثہ میں پائی تھی ان کے والدین بھی غلامی
کی چکی میں پس رہے تھے ہوش کی آنکھیں کھولتے ہی بلال بھی اسی چکی
میں پیس گئے رہے پہلے وہ قبیلہ بنو جمح کی ایک متمول عورت کی غلامی میں
رہے بعد ازاں امیہ بن خلف کے ہاتھ لگے یہیں سے وہ تاریخی روشنی میں آتے
ہیں اور ان کی زندگی کو توحید کا نزالا تصور مل جاتا ہے رشید ایمن بلال کو گھریلو
کام کاج اور اونٹ چرانے پر مامور کیا گیا - فرصت کے یہی لمحات تھے
بلال کے لحن داؤدی اور ترنم کی صدا ریگزار حجاز میں اول اول گونجی
موسیقی اور نغمہ سے اہل حبشہ کو فطری مناسبت تھی بلال کو شاید
قسام ازل کی طرف سے یہ نعمت اس لئے بھی ارزاں کی گئی تھی کہ آگے چل کر
اس نغمہ کو کسی اور رخ پر موڑنا مقصود تھا - وقت کے ساتھ ساتھ بلال کے
سن و سال میں پختگی آگئی تو امیہ نے انہیں مویشی چرانے کی خدمت سے
ہٹا کر اپنے گھریلو بت کدہ کا نگران مقرر کر دیا تاکہ وہ ان پتھریلے خداؤں کے
گرد جھاڑے، صندل اور عود سلگائے - بلال اس نئی خدمت پر مامور رہے

لیکن بہت زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ تقدیر نے انہیں السابقون
الاولون کی صف میں شامل ہونے کی سعادت بخشی۔ حضرت
بلال کو پیدہ راست خدمت رسالت میں حاضری کا موقع نہ ہوا بلکہ
اعلان توحید کے اولین ایام میں حضرت ابوبکر صدیق کی تبلیغ سے ایمان
قبول کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو مسرت کا اظہار کیا اور ان
کے قبول اسلام کو حجاز سے باہر اشاعت کا پیش خیمہ قرار دیا
اسلام لانے کے وقت حضرت بلال کی عمر تیس برس کی ہو چکی تھی خود بیان کرتے
ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے اگرچہ ۔۔۔ امیہ بن خلف کی غلامی میں مشقت
کے دن کاٹ رہے تھے۔ امیہ کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس کا زر خرید غلام
اس سے یوں بغاوت کر کے حزب اللہ میں شامل ہو جائے گا نتیجہ
یہ ہوا کہ غم و غصہ کی طوفانی لہریں اس کے دل میں ابلنے لگیں چنانچہ اس نے ایک
دن صبح سویرے بلال سے پوچھا یہ کیا طریقہ عبادت تم نے اختیار
کر لیا ہے حضرت بلال رضؓ نے بیساختہ جواب دیا میں رب محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہوں امیہ نے کہا اس دین سے برگشتہ ہو جاؤ
ورنہ سخت عذاب دونگا بلال رضؓ بولے ہر سختی قبول ۔۔۔ پر میں

دین حق سے رب منہ نہیں موڑتے "الا" سنتے ہی کافر غیض و غضب
بھڑکنے لگا پہلے تو اس نے بلال کا لباس نوچ ڈالا پھر ان کے بدن میں کانٹے
چبھونے لگے یہ نوکیلے خار اس بے دردی سے چبھوئے کہ جسم سے
ہڈیوں تک تر گئے۔ تاریخی اعتبار سے حضرت بلال رضؓ اولین مسلمان
ہیں جو راہ حق میں ستائے گئے۔ اور یہ پہلا دن تھا کہ امیہ نے
ان کی بے بسی کو مشق ستم کا نشانہ بنایا بلال کی یہ ملال زندگی ہر
نئی صبح اسے جلوہ بکھرا کچھ دیر میں اجالا پھیلا اجالا ہو جانے والا تھا
اب امیہ کے حکم سے بلال کو دوسرے غلام لے کر چلے اور تپتی
ریت پر پیشانی کے بل گرا دیا بھاری بھرکم پتھر جسم پر رکھے تاکہ
کروٹ نہ لے سکیں آہ یا اس تیز آگ جلائی گئی بلال نڈھال
پڑے تھے آگ کی گرمی سے بدن جھلس گیا کلیجہ منہ کو آگیا لیکن
زبان سے برابر احد احد پکار رہے تھے گلے میں رسی باندھ کر مکہ
کے لونڈوں کو ساتھ لگا دیا وہ گلیوں میں لے پھرتے گردن میں زخم
پڑ جاتے بڑے بڑے کافر سمجھاتے۔ حضرت بلال کے پاس دن سب

کا ریگ ریتی جو عرب تھا "احد احد" - سورج ٹھیک نصف النہار پر
ہوتا تو جب امیہ انہیں لوہے کی زرہ پہنا کر جھلسا دینے والی
دھوپ میں بٹھا دیتا اور کبھی گائے یا اونٹ کی کھال میں لپیٹ کر
کہتا جب تک تم مر نہ جاؤ گے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا -
دن ڈھلے حضرت بلال کو پا بہ زنجیر ایک تنگ و تاریک حجرے میں
ڈال دیا جاتا امیہ اور اس کے غلام حضرت بلال کو مارتے ظالم کا حکم تھا کہ
یہ سلسلہ صبح تک جاری رہے چنانچہ اسی التزام کے ساتھ تشدد جاری رہتا
بلال مار کی ہر ضرب کو احد کے نعرے سے شکست دیتے - لیکن ان
تمام مصیبتوں کے باوجود حضرت بلال نے امیہ کی قید اور ظلم و ستم سے رہائی کی
خاطر کبھی کسی سے التجا نہیں کی اس کی وجہ یہ تھی کہ ان پر اسم پاک احد کی
تجلیات کا ورود ہوتا تھا اور جسمانی اذیت کا احساس تک ان کے دل سے
جاتا رہا انگاروں پر لوٹنا ان کے لئے تجلیات طور سے کم نہ تھا حضرت ابوبکر نے
بلال کی ضرب سنی تو دل ہل گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا ماجرا
عرض کیا۔ آنحضرت نے حضرت ابوبکر کو حکم دیا کہ امیہ سے بلال کو خرید لیں
حضرت ابوبکر نے بلال کو دس ہزار دینار میں خرید لیا - اور حضرت بلال کو

آزاد کر دیا ۔

امجد ہے
پاں دولت لازوال دے دے مجھ کو
استقلال بلال دے دے مجھ کو
اغیار کا خوف جسم و جاں سے نکلے
مر کر بھی احد احد زباں سے نکلے ۔

امجد کہتے ہیں کہ وہ دولت لازوال جو حضرت بلال کو حاصل ہوئی تھی اور وہ استقلال جو حضرت بلال کو ملا تھا کہ باوجود مار پر مار کھانے امیہ کے ہر طرح کا ظلم و ستم سہنا ہر طرح کی مصیبت برداشت کیں ۔ اس کے باوجود زبان سے برابر احد احد کا نعرہ نکلتا رہا اور وحدت حقہ کو قبول کر کے جو استقلال کا ثبوت دیا وہ مثالی ہے ۔ اسی وجہ سے حضور صلعم نے فرمایا بلال رضؓ جنت میں سب سے پہلے داخل ہو گا حضرت عمرؓ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ سے پہلے بھی فرمایا مجھ سے پہلے میں جس ناقہ پر سوار ہو نگا اس کی مہار بلال نے تھام رکھی ہو گی اس طرح وہ مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہو گا ۔

بہشت

بہشت اور جنت کے معنیٰ باغ کے ہیں یہ انسانوں کا موروثی اور دائمی مقام ہے جو نیک انسانوں کیلئے ہے۔ جنت میں ہر قسم کی لذتیں اور مسرتیں نیک لوگوں کو حاصل ہوں گی جس کا لطف دائرہ تصور میں بھی نہیں آسکتا اس میں کوئی بھی حیوانی روحانی آزار نہ ہوگا۔ خوف و غم نہ ہوگا۔ رشک و حسد نہ ہوگا اور کوئی بھی فکر اور پریشانی نہ ہوگی وہ ایک مقام راحت و سکون ہے جہاں ہر طرف نور ہی نور ہے ظلمت و تاریکی کا کہیں بھی نام و نشان نہیں ہے وہاں انسانوں کا کام صرف اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحلیل اور حمد و ثنا ہوگا جنت کی نعمتوں میں سب سے اعلیٰ و برتر نعمت قرب باری تعالیٰ ہے جو وہاں میسر ہوگا آخری اور سب سے بڑی نعمت تجلی باری تعالیٰ ہے جس سے جنت کے لوگ مشرف ہوں گے اس مقام کیلئے قرآن مجید میں عموماً جنت کا نام ہی دیا گیا ہے لیکن بعض مقامات پر اس کو مناسب اضافتوں کے ساتھ ادا کیا گیا ہے جیسے جنت الخلد (بقائے دوام کا باغ) جنت عدن دائمی سکونت کا باغ جنت الماویٰ پناہ کا باغ اس کے علاوہ دوسرے لفظوں سے بھی اس کی تعبیر کی گئی ہے جیسے فردوس باغ روضہ چمن دار الخلد

ہمیشگی کا گھر، دار المقام، قیام کا گھر، دار السلام، امن و سلامتی کا گھر وغیرہ۔

امجد
لوٹے ہیں تمام عمر جنت کے مزے
حاصل کر کے وہ خوب عیش عشرت کے مزے
ان کو جنت میں کیا ملے گی لذت
دنیا میں ملے ہوں جن کو جنت کے مزے

خاک قدم پاک ہوا جاتا ہوں
ان قدموں میں جنت کا مزہ پاتا ہوں
اب ہاتھ اٹھاؤں گا نہ ان قدموں سے
لے تیرے ہی قدموں کی قسم کھاتا ہوں۔

امجد کہتے ہیں کہ جنھوں نے تمام عمر دنیا ہی میں لذت کے مزے لوٹے ہوں اور دنیا میں خوب عیش عشرت کے ساتھ زندگی گذاری ہو۔ ان کو جنت میں کیا ملے گی لذت جو دنیا میں جنت کے مزے لوٹے ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت کس چیز سے بنائی گئی ہے فرمایا پانی سے ہم نے عرض کیا ہمارا مطلب جنت کی عمارت سے ہے فرمایا ایک اینٹ سونے کی

ریگ چاندی کی اور سارا مشک کافور کی مٹی زعفران ہے اور کنکریاں موتی اور یاقوت ہے جو جنت میں داخل ہو جائے گا وہ کسی بھی نعمت سے محروم و مایوس نہ رہے گا اور وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا کبھی موت نہیں آئے گی اس کے کپڑے کبھی پرانے نہیں ہوں گے جوانی کبھی ختم نہ ہوگی ۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ فرماتے ہیں جنتی کے حسن و جمال میں برابر اضافہ ہوتا رہیگا جس طرح دنیا میں دھیرے دھیرے بڑھاپا آتا ہے وہاں جوانی حسن و جمال بڑھے گا ۔ حضرت صہیب رضؓ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو ایک منادی پکارے گا جنت والو اللہ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا وہ اس کو پورا کرنا چاہتا ہے جنتی کہیں گے وہ کیا ہے کیا اللہ نے ہماری میزان کو وزنی اور ہمارے چہروں کو روشن نہیں فرمایا کیا ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور کیا دوزخ سے نجات نہیں دی بحسب ارشاد رسولؐ پھر وہ اٹھا دیا جائے گا جنتی اللہ کے دیدار سے مشرف ہوں گے خدا کی قسم جنت والوں کیلئے اس سے زیادہ محبوب اور بہتر نعمت نہیں ہوگی ۔

بار امانت کی گرانی

اردو میں بار امانت اور بار گراں کی تلمیحات عام طور پر مستعمل ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر امانت کو پیش کیا لیکن سب نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور ڈرگئے انسان نے اس بوجھ کو اٹھا لیا وہ بڑا ہی نادان تھا مفسرین کے نزدیک اس بوجھ سے مراد احکامات الٰہی ہیں جن کی تعمیل کا اقرار انسان نے قول و قرار کے دن اللہ تعالیٰ سے کیا تھا

ہر گام پہ چکرا کر گرا جاتا ہوں
نقش کف پا بن کے مٹا جاتا ہوں
تو بھی تو سنبھال میرے دینے والے
میں بار امانت میں دیا جاتا ہوں

امجد

امجد کہتے ہیں کہ اے خدا میں بار امانت میں دیا جاتا ہوں تو بھی سنبھال میرے دینے والے ہے زمین آسمان اور پہاڑوں کو یہ امانت پیش کی گئی تو سب نے انکار کر دیا انسان نے اس بوجھ کو اٹھا لیا۔ امانت سے مراد احکام شرعیہ کا مکلف اور ماحول ہونا ہے۔ جن میں پورا اترنے پر جنت کی دائمی نعمتیں اور خلاف ورزی اور کوتاہی پر جہنم کا عذاب موجود ہے مندرجہ بالا مضمون کے چند

اور اشعار پیش خدمت ہیں۔

امجد

اے لو وہ عرضا کی صدا گونج اٹھی
انا کے جلال سے فضا گونج اٹھی
اس سینہ میں کائنات رکھ لی میں نے
کیا ذکر صفات ذات رکھ لی میں نے
ظالم سہی جاہل سہی نادان سہی
سب کچھ سہی تیری بات رکھ لی میں نے

اللہ تعالیٰ نے اول آسمان پھر زمین پر پھر پہاڑ پر اختیاری صورت میں یہ پیش کیا کہ امانت یعنی طاعت احکام کا بار اٹھالو۔ اس معاوضہ کے ساتھ جو اس کے لے مقرر ہے ہر ایک نے سوال کیا کہ معاوضہ کیا ہے تو بتلایا گیا کہ امانت یعنی اطاعت احکام تم نے پوری طرح کی تو تمہیں جزا اور ثواب و اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعزاز خاص ملے گا اور اگر تعمیل احکام نہ کی یا اس میں کوتاہی کی تو سزا ملے گی۔ ان سب بڑے بڑے اجسام نے یہ سن کر جواب دیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم اب بھی آپ کے تابع فرمان چل رہے ہیں لیکن جب ہمیں اختیار دیا گیا تو ہم اس بار کرانے سے اپنے کو عاجز پاتے ہیں۔ ہم نہ ثواب چاہتے ہیں نہ عذاب کے

مشتمل ہیں - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ روایت نقل کی ہے
کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آسمان زمین وغیرہ پر امانت
امانت اور اس کے جواب کے بعد حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو
خطاب فرمایا اور فرمایا ہم نے اپنی امانت آسمان و زمین کے سامنے
پیش کی تو وہ اس بار کو اٹھانے سے عاجز ہو گئے تو آپ اس بار امانت
کو اٹھائیں گے مع اس چیز کے جو اس کے ساتھ ہے آدم علیہ السلام نے سوال
کیا کہ اے پروردگار وہ چیز جو اس کے ساتھ ہے کیا ہے جواب ملا کہ اگر
حمل امانت میں پورے اترے یعنی اطاعت مکمل کی تو آپ کو جزا ملے گی
جو اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی صورت میں
ہوگی اور اس امانت کو ضائع کیا تو سزا ملے گی آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ
کے قرب و رضا میں ترقی ہونے کے شوق میں اس کو اٹھا لیا یہاں تک کہ بار
امانت کے اٹھانے پر اتنا وقت بھی نہ گذرا تھا کہ جتنا ظہر سے عصر تک ہوتا
ہے اس میں شیطان نے انہیں مشہور لغزش میں مبتلا کر دیا اور جنت
سے نکالے گئے یہ عرض امانت کا واقعہ میثاق ازل یعنی عہد الست

سے پہلے کا ہے کیونکہ عہد الست پر بکم اس بار امانت کی پہلی کردی اور اپنے منصب کا حلف اٹھانے کے قائم مقام ہے۔ انسان نادان تھا اس نادان نے اپنے جان پر ظلم کیا کہ اتنا بار اٹھا لیا جو اس کی طاقت کے باہر تھا مگر قرآنی تصریحات کے مطابق ایسا نہیں کیونکہ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں یا پوری نوع انسانی ان میں آدم علیہ السلام تو نبی معصوم ہیں انہوں نے جو بار اٹھایا تھا اس کا حق بھی یقینی طور سے ادا کر دیا اس کے نتیجہ میں ان کو خلیفۃ اللہ بنا کر زمین پر بھیج دیا گیا ان کو فرشتوں کا مسجود بنا دیا گیا اور آخرت میں ان کا مقام فرشتوں سے بھی بلند بالا ہے۔ اور اگر نوع انسانی ہی مراد ہو تو اس پوری نوع میں لاکھوں تو انبیاء علیہ السلام ہیں کروڑوں صالحین اور اولیاء ہیں جن پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں جنھوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس امانت الٰہی کے اہل اور مستحق تھے انہیں اشرف المخلوقات ٹھہرا دیا۔

برق طور

کوہ طور شام کا وہ مقدس پہاڑ ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک ادنیٰ تجلی کا ظہور کیا تھا اور وہ اس کی تاب نہ لاکر سرمہ کے مانند سیاہ ہو گیا تھا۔ یہ پہاڑ بحر قلزم کے دو شاخہ پر مصر کے راستہ میں ہے۔ وحی الٰہی کے اشارہ پر حضرت موسیٰ نے اس پر اعتکاف کیا تھا۔ چلہ پورا ہونے کے بعد بنی اسرائیل کے اصرار پر حضرت موسیٰ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ رب ارنی انظر الیک۔ یا خدا تو مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما وہاں سے جواب ملا۔ لن ترانی۔ اے موسیٰ تم نہ دیکھ سکو گے۔ پھر جب ادھر مزید اصرار ہوا تو ندا آئی۔ اچھا دیکھو ہم اپنی تجلی کا ظہور اس پہاڑ پر کرتے ہیں اگر اس نے تجلی کو برداشت کر لیا تو تم بھی برداشت کر سکو گے جب اللہ تعالیٰ نے تجلی کا ظہور کیا تو نہ صرف کوہ طور جل کر سیاہ ہوا بلکہ حضرت موسیٰ بھی تاب نہ لاکر بے ہوش ہو گئے۔ یہ تلمیح تجلی طور کی طرف اشارہ کرتی ہے حضرت موسیٰ کی خواہش پر جب اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر اپنے جلوہ کا ظہور کیا تو وہ پہاڑ اس کی تاب نہ لاکر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ اور حضرت موسیٰ بے ہوش ہو گئے تھے۔ جب ان کو ہوش آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بڑے

معجزے عطا فرمائے اور اپنا پیغام پہونچانے کے لئے فرعون کے پاس روانہ کیا۔ جلوہ باری کے لئے۔ برق طور۔ برق تجلی۔ اور برق شجر کی تلمیحات مستعمل ہیں۔ اس کو جلوہ طور۔ جلوہ سینا۔ اور جلوہ ایمن بھی کہا جاتا ہے۔

ہر باطن کا ظہور ہے آنکھوں میں
پتلی ہے کہ برق طور ہے آنکھوں میں
آنکھیں جیسے ڈھونڈتی ہیں خود سے باہر
وہ نور ہے اور نور ہے آنکھوں میں

امجد

عالم میں ہر اک اس کا شہید نظر آتا ہے
اس طور کا ہر ذرہ موسیٰ نظر آتا ہے
کس طرح نظر آئے گا در پردہ امجد
ہر پردہ کے بعد اور اک پردہ نظر آتا ہے

امجد

تاج محل

آگرہ کا تاج محل۔ دنیا کی سب سے حسین عمارت ہے۔ ہندوستان کے مشہور بادشاہ شاہ جہاں نے اسے تعمیر کروایا۔ ارجمند بانو شاہ جہاں کی چہیتی ملکہ تھی وہ اسے ممتاز محل کہا کرتا تھا۔ جب ممتاز محل کا انتقال ہوا تو شاہ جہاں نے اس کی یاد میں یہ شاندار عمارت بنوائی۔ تاج محل اتنا خوبصورت ہے کہ دور دور ممالک سے سیاح اسے دیکھنے کے لئے ہندوستان آتے ہیں۔ تاج محل آگرہ میں جمنا کے کنارے واقع ہے۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے ندی کنارے سنگ مرمر کا ایک بہت بڑا اونچا چبوترہ بنا ہوا ہے اسی چبوترے کے بیچوں بیچ تاج محل کھڑا ہے چبوترے کے چاروں طرف مینار ہیں یہ مینار بڑے ہی سڈول، نفیس اور نازک ہیں یہ مینار تاج محل کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ عمارت ہر ایک دلکش گنبد ہے گنبد کے ٹھیک نیچے فرش پر سنگ مرمر کا خوش نما جال دار جنگلہ ہے اسی جنگلے کے بیچ میں ممتاز محل اور شاہ جہاں کی قبریں ہیں۔

تاج محل کی تعمیر کے لئے شاہ جہاں نے ہندوستان کے بڑے بڑے معمار سنگ تراش اور کاری گر جمع کئے۔ باہر کے ملکوں سے بھی باکمال ہنرمندوں کو بلوایا مختلف مقامات سے قیمتی جواہرات لائے گئے اور عمارت

کے گل بوٹوں میں جڑے گئے، دروازے بھی سونے چاندی کے بنوائے گئے،
تاج محل کا نقشہ استاد عیسیٰ نے بنایا تھا۔ اندرونی حصہ میں رنگ برنگے
بیل بوٹے اور پھول پتیاں بنائی گئی ہیں۔ یہ اتنی نفیس اور خوبصورت ہیں کہ
دنیا بھر میں ان کی مثال نہیں ملتی یہ سب کام قیمتی پتھر جواہرات اور سیپ
وغیرہ سے کیا گیا ہے عمارت کے گرد ایک وسیع احاطہ ہے احاطے کے داخلی
دروازہ سے عمارت تک حوض ہے جس میں جگہ جگہ فوارے لگے ہوئے ہیں
داخلی دروازے سے دیکھیں تو عمارت اتنی خوب صورت اور دلکش نظر
آتی ہے کہ دل پر اس کا نقش جم کر رہ جاتا ہے جمنا پار سے تاج محل دیکھو تو
ہر طرح مزہ آتا ہے دور سے تاج محل ایک حسین حوری کی طرح نظر آتا ہے اسی
لیے لوگ چاندنی رات میں اسے دیکھنے جاتے ہیں تاج محل فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے

سر تا قدم آئینہ حیرانی ہے
شاعری کے لیے وجہ غزل خوانی ہے
یہ تاج محل کا مرمریں گنبد ہے
یا شاہ جہاں کا قلب نورانی ہے۔

امجد کہتے ہیں کہ تاج محل کی پوری عمارت دیکھ کر ایک حیرانی سے ہوتی ہے
اور شاعر حضرات اسے دیکھ کر غزل کہنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں یہ تاج محل کا
مرمریں گنبد دراصل شاہ جہاں کا قلب نورانی ہے۔

جبل ثور

غار ثور اس پہاڑ کے غار کا نام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے مکہ سے ہجرت کر کے غار ثور میں پناہ لی تھی۔

بیعت عقبیٰ ثانیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو ہجرت مدینہ طیبہ کی اجازت دے دی چنانچہ اصحاب چھپ چھپ کر مدینہ روانہ ہونے لگے تھے۔ پھر اللہ کے نبی کو حکم ہوا کہ تم مدینہ کو ہجرت کر جاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت ابوبکر صدیق کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں سے تنہائی میں سارا حال بیان کیا اور کہا تم رفیق ہو ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ میں نے دو اونٹنیاں اس سفر کے واسطے خریدی ہیں آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک مجھے اسی قیمت پر دیدو جس قیمت پر تم نے لی ہے ابوبکر صدیق نے کہا یوں ہی آپ کی نذر ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ تو ہم قیمت دے کر ہی لیں گے حضرت ابوبکر نے کہا بہت خوب ہر چند کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق کے مال کو بے تکلف خرچ کرتے تھے اور اپنا ہی مال سمجھتے تھے مگر اس اونٹنی کی قیمت دینے میں جو اتنا اصرار کیا

اس سبب محدثین نے یہ لکھا ہے کہ آپ نے اس عبادت عظمیٰ
میں صرف وہبی قدرت کا مال ہی صرف کرنا اولیٰ سمجھا۔
رات کو آپ دولت خانے میں تھے کہ جماعت کفار نے آکر
دروازہ مبارک گھیر لیا اور وہاں جمع ہو گئے آپ نے حضرت علی رض
کو اپنے بستر پر لٹا دیا انہوں نے آپ کی چادر مبارک اوڑھ لی
پھر آپ نے ان سے فرمایا کہ کفار تمہیں کچھ ضرر نہ پہونچا سکیں گے
آپ کے پاس لوگوں کی جو امانتیں تھیں وہ حضرت علی کو دیدیں اور ان
سے کہا کہ یہ ان کے مالکوں کو پہونچا کر مدینہ آجانا پھر آپ دروازے
سے نکلے اور اول سورہ یٰسین فاغشینا ھم فھم لا یبصرون تک پڑھ کر
ایک مٹھی خاک جماعت کفار پر پھینک ماری وہ خاک ہر کافر کے
سر منہ اور آنکھوں تک پہونچی اور آپ صاف نکل گئے
کسی کو نظر نہ آئے تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص جو شیطان تھا وہاں
آیا اور پوچھا کہ کس فکر میں کھڑے ہو انہوں نے کہا کہ محمد کے لئے
کھڑے ہیں شیطان نے کہا کہ وہ تو تمہاری آنکھوں میں خاک
ڈال کر چلے گئے ہر ایک نے اپنے چہرہ اور منہ پر ہاتھ پھیرا

تو خاک کا مٹھی یا یا لکھا ہے جو کفار اس وقت جمع تھے خاک ان تک پہونچی
تھی اور بجائے کفر بدر کے دن مقتول ہوئے۔ بہر حال کفار نے دروازے کے
سوراخوں سے دیکھا تو پتہ چلا کہ کوئی بستر پر چادر اوڑھے لیٹا ہے
انہوں نے سمجھا کہ آپ ہی لیٹے ہیں یا کہ خرمکان کے اندر گھسے حضرت علی رضؓ کھٹکا
سن کر بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے لوگوں نے ان سے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کہاں ہیں انہوں نے کہا مجھے نہیں معلوم وہ حضرت علی سے مزید رحم
نہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں لگ گئے
حضرت ابوبکر صدیق آپ کو لے کر غار ثور میں پہونچے راستہ کی کیفیت
یہ ہوئی کہ جس وقت حضور ثور پہاڑ کے قریب پہونچے جناب صدیق اکبر
نے آپکو اپنے کندھے پر سوار کیا اور نقش قدم حضور کا زمین سے
اٹھا کر اپنی پشت پر رکھ لیا غار کے منہ پر پہونچ کر حضور کو غار
کے باہر چھوڑ کر خود اندھیرے تنگ اور تاریک غار میں کالی رات میں
بچھوؤں کے گھر گھس کر ہاتھوں سے غار کی زمین صاف کی جس قدر
سوراخ نظر آئے سب اپنے کپڑے پھاڑ کر رکھے اور سارے
سوراخوں کو بند کیا صرف ایک سوراخ باقی رہا کپڑا ختم ہوا اس میں

اپنے پیر کی ایڑھی رکھ کر اور حضور کو اندر بلا کر عرض کیا کہ آپ میرے زانو پر سر رکھ کر سو جائیں کیونکہ آپ ساری رات جاگتے اور تکلیف سے راستہ چلتے رہے ہیں۔ جب آفتاب نبوت نے غار میں آرام فرمایا۔ ادھر خدا کے حکم سے ایک درخت ببول کا بہت دور کے فاصلہ سے آیا اور منہ پر غار کے چھایا ادھر مکڑی آئی اور اس نے غار کے منہ اور سارے ببول کے درخت پر بہت جلد جالا پورا کر کے راستہ بند کیا۔ اس طرح رات ہی رات جنگلی کبوتر کو حکم ہوا اس نے غار کے منہ پر گھونسلا بنا کر انڈے دیئے

صعوبت کے طے کر کے سارے مراحل
ہوئے دار حق تو رہیں دونوں داخل
چھپے ایک بدلی میں بدر کامل
ہوا آج میرسوں کا مقصود حاصل
یہ کون آج سر رکھ کے سو گیا ہے
کہ زانوئے صدیق دل ہو گیا ہے

امجد

امجد کہتے ہیں کہ صعوبت کے سارے مراحل طے کر کے حضرت ابوبکر صدیق

اور حضور دونوں غار ثور میں داخل ہوئے گویا ایک بدلی میں دو بدر کامل چھپ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق کا ارادہ بھی ہجرت کا تھا اس لیے امجد کہتے ہیں کہ میرے دل کا مقصود آج حاصل ہو گیا ہے ایک اور جگہ امجد کہتے ہیں۔

جبل ثور تجلی رخ انور سے
اب تو تو ہی جبل النور نظر آتا ہے۔

امجد کے نزدیک جبل ثور میں داخل ہونا گویا وہ اب جبل ثور نہیں رہا بلکہ امجد اس کو جبل النور کہتے ہیں۔ ایک اور جگہ امجد کی رہائی میں یہ تلمیح آئی ہے۔

ادھر تو چیخا کہ میں منتظر ہوں
چلے گا کس کا نہ اب کوئی افسوں
بلاتا ہے کون آج میں بھی تو دیکھوں
ہے شمس و قمر کے لیے ثور موزوں

امجد کہتے ہیں کہ گویا غار ثور بھی حضور کی تشریف آوری کا منتظر تھا کہ حضور غار ثور چھوڑ کر کسی اور جگہ نہ جائیں بلکہ ثور میں ہی قیام کریں اور آخری شعر میں کہتے ہیں کہ علم نجوم کے لحاظ سے بھی شمس و قمر کے لیے ثور موزوں ہے۔

حجاج کی ہجو

حجاج بن یوسف کی ماں فارعہ بنت ہمام - یہ حکیم عرب حارثہ بنت کلیب ثقفی کے نکاح میں تھیں چند وجوہات کی بناء پر حارثہ بنت کلیب ثقفی نے اسے طلاق دیدی تو کچھ دنوں بعد فارعہ سے حکیم بن ابی عقیل ثقفی نے نکاح کر لیا اس سے حجاج پیدا ہوا حجاج نہایت ہی بدشکل تھا - جب وہ پیدا ہوا تو اس کے پاخانہ کا مقام نہیں تھا چنانچہ اس کو چھید کر برازکے لئے مقام بنا دیا -

نیز اس نے اپنی ماں اور دیگر عورتوں کا دودھ پینے سے انکار کر دیا تھا چنانچہ اس معاملہ میں لوگ بہت پریشان ہو گئے - بعض مورخین لکھتے ہیں کہ شیطان حرث بن کلاہ کی شکل میں نمودار ہوا اور کہا کہ آپ لوگ کیوں پریشان ہیں - تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ لڑکا یوسف کا ہے فارعہ کے بطن سے پیدا ہوا ہے - اور یہ ماں کا دودھ نہیں پی رہا ہے شیطان نے یہ مشورہ دیا کہ تم لوگ کالا بکرا ذبح کر کے اس کا خون اسے چٹاؤ پھر دوسرا کالا بکرا ذبح کر کے اس کے خون میں ڈالو پھر اس کے چہرے کو خون سے تین دن تک مالش کرتے رہو چوتھے دن یہ ماں کا دودھ پینے لگے گا چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور اس بچے نے ماں کا دودھ پینا شروع کر دیا - حجاج خون ریزی کے لئے بے چین رہتا تھا حجاج خود کہا کرتا تھا

تھا کہ مجھے خون ریزی اور وہ کام کرنے ہیں جس کو دیگر نہ کر سکتے ہوں خوب مزہ آتا ہے۔ جب حجاج جوان ہوا تو اسے کوفے کا گورنر بنایا گیا۔ سفیان ثوری بحوالہ عبدالملک بن عمر لیثی۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کوفے کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور کوفے والے ان دنوں بہترین زندگی گذار رہے تھے اچانک کسی نے کہا کہ حجاج بن یوسف کو عراق کا گورنر بنا کر بھیج دیا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حجاج عمامہ باندھے منہ ڈھانکے ہوئے تلوار اور تیر کمان لٹکائے ہوئے مسجد میں آیا اور ممبر کی طرف بڑھنے لگا لوگ اس کے قریب ہو گئے حجاج ممبر پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر خاموش بیٹھا رہا یہ دیکھ کر لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ بنی امیہ کا برا کرے اس جیسے شخص کو عراق کا گورنر بنایا گیا۔ جب حجاج لوگوں کے تیور چڑھے ہوئے دیکھا تو اپنے چہرے کو کھول کر کھڑا ہو گیا اور حمد و ثنا کے بعد کہا کہ میں معاملوں کو کھول دینے والا ہوں اور پہاڑ اور ریتلی زمینوں کی راہ موڑنے والا ہوں جب میں عمامہ رکھ دونگا تو تم لوگ پہچان لوگے۔ اس کے بعد کہا کہ اے کوفیو میں لوگوں کے سروں کو بالکل تیار دیکھ رہا ہوں۔ اب کھیتی کاٹنے کا وقت آگیا ہے اور عماموں اور ڈاڑھیوں میں خون دیکھ رہا ہوں۔ عراق کے رہنے

والوں میں نہایت ہی بے باک اور نڈر ہوں جو زمانے سے ڈرتا نہیں ہوں اور نہ ہی سانپ کی طرح پہلو بدلتا ہوں۔ امیر المومنین نے مجھے تمہارا حکمراں بنا دیا ہے اور میں تمہاری گردن اونٹوں کی طرح اڑا دونگا عراقیو یاد رکھو میں کہہ دیتا ہوں تو پورا کرتا ہوں اور جو ارادہ کرتا ہوں کر گزرتا ہوں۔ قسم کھاتا ہوں تو پوری کرتا ہوں اگر کوئی شخص میری خلاف ورزی کرے گا میں تین دن کے بعد اس کی گردن اڑا دونگا۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جب حجاج قریب المرگ ہوا تو اس نے ایک نجومی کو بلا کر یہ پوچھا کہ کیا آپ کے علم میں کسی بادشاہ کے مرنے کا ذکر ہے اس نے جواب دیا ہے۔ میرے علم میں جو بادشاہ مریگا اس کا نام کلیب ہے یہ سن کر حجاج نے کہا ہاں میں ہی ہوں۔ خدا کی قسم میری ماں نے میرا نام کلیب ہی رکھا تھا۔ حجاج بن یوسف کا انتقال ۹۵ھ میں ولید کے عہد شہر واسط میں ہوا اور اسی شہر میں دفن کیا گیا۔ اس کی قبر کا نشان مٹا کر پانی بہا دیا گیا۔ جنگ کے علاوہ حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو قتل کیا ہے۔ امام ترمذی نے بھی اتنی تعداد نقل کی ہے۔ اور حجاج کے قید خانے میں پچاس ہزار مرد تیس ہزار عورتیں جاں بحق ہو گئے تھے جن میں سولہ ہزار کنواری لڑکیاں تھی۔ حجاج عورتوں

اور مردوں کو ایک ہی جگہ قید کرتا تھا۔ حجاج کے انتقال کے بعد قید خانے کا جائزہ لیا گیا تینتیس ہزار آدمی بے گناہ قید تھے۔ جن کے اوپر نہ قطع ید تھا اور نہ سولی دئے جانے کے مستحق تھے ابن عساکر لکھتے ہیں کہ سلمان بن عبدالملک نے حجاج کے قید خانے سے اس کے مرنے کے بعد تمام مظلومین کو رہا کر دیا تھا۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ ایک دن میں ستر ہزار آدمی رہا کئے گئے اور بعض نے رہا ہونے والوں کی تعداد تین لاکھ لکھی ہے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ حجاج کا قید خانہ بلا چھت کے تھا گرمیوں میں سورج کی تپش سے بچنے اور سردیوں میں بارش سے حفاظت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ وہ قیدیوں کو طرح طرح کی سزائیں دیتا تھا بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حجاج نے اپنے منشی سے ایک دن دریافت کیا کہ ہم نے الزام لگا کر کتنے لوگوں کو قتل کیا ہے منشی نے جواب دیا ستر ہزار حجاج بن یوسف بیس سال تک عراق کا گورنر رہا کل ۵۳ سال کی عمر پائی حجاج بن یوسف پر بعض علماء نے کفر کا فتویٰ بھی لگایا تھا کیونکہ وہ عقیدے حیاۃ النبیؐ اور عقیدے حیات بعد الموت کا منکر تھا۔ خدا ہی اس کے حالات سے زیادہ واقف ہے۔ امجد کی رباعی پیش ہے۔

دیکھو تاریخ کے صفحہ دیکھو
ہے کہیں تخت و تاج کی ہجو
مر کے ظالم کو زمانہ گذرا
آج تک ہوتی ہے حجاج کی ہجو۔

امجد کہتے ہیں کہ تاریخ کے صفحات دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی بادشاہ وقت کی ہجو تخت و تاج کی ہجو ملتی ہے۔ کہیں تو بادشاہوں کے خود افراد خاندان نے ہجو کی ہے تو کہیں شاعروں اور ادیبوں نے اس کی ہجو کی ہے۔

اور خاص طور پر امجد کا نشانہ حجاج بن یوسف ظالم اور جابر بادشاہ کی طرف ہے۔ جو اپنے وقت کا جابر بادشاہ تھا۔ جس کو مر کر ایک زمانہ گذرا مگر آج تک حجاج کی ہجو ہوتی ہے۔ لوگ اس کو ایک جابر اور ظالم بادشاہ کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔

حور اور طور

حور جمع ہے حورا کی اس کے لغوی معنیٰ ہیں گوری چٹی عورت جس کی آنکھ کی پتلی اور بال بہت سیاہ ہوں فارسی اور اردو میں مفرد کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے جواہر یا ابرام کنایتہً بیری جمال اور شکیل و جمیل عورت کو بھی کہا جاتا ہے بہشت کی عورتوں کو حور کہا جاتا ہے قرآن مجید میں ان کے مختلف خصائص پر روشنی ڈالی گئی ہے سورہ بقر اور آل عمران میں ان کو ازواج مطہرات جسمانی پاکی اور کردار کی بلندی سے مراد سورہ رحمٰن میں۔

قصرات الطرف نیچی نگاہ والیاں اور اسی سورہ میں ایک جگہ مقصورات فی الخیام۔ خیموں میں رہنے والیاں کہا گیا ہے مفسرین نے ان حوروں کے متعدد خصائص بیان کیے ہیں یعنی ان کی خلقت مشک و عنبر سے ہوئی ہے ان کا جسم صاف و شفاف ہے ان کے منہ سے گلاب کی خوشبو آتی ہے وغیرہ۔ نیک اور پرہیزگار لوگ جب جنت میں جائیں گے تو ان کی پیشوائی یہ حوریں کریں گی جو کنواری اور اپنے شوہروں کی ہم عمر ہوں گی۔

طور۔ طور سے مراد تجلی الٰہی کے اس شعلہ نور سے ہے جو حضرت موسیٰ کے لئے کوہ طور پر جلوہ فگن ہوا تھا حضرت موسیٰ اپنے اہل عیال

کے ساتھ ایک بار کوہ طور پر پہونچے تھے یہ پہاڑ شام میں واقع ہے اس
کے دامن میں وادی ایمن تھی وہاں دن کو سخت خشکی محسوس ہوئی
سردی کی وجہ سے چقماق بے کار ہو گیا تھا اس لئے انہوں نے آگ کی
جستجو میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو دن کو وادی ایمن میں ایک شعلہ سا چمکتا
معلوم ہوا وہ اس شعلہ کو آگ سمجھ کر آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک درخت پر
شعلہ سا چمک رہا ہے وہ شعلہ بھی عجیب تھا کہ اس کی تپش سے نہ تو وہ درخت
جل رہا تھا اور نہ وہ جل بجھ رہا تھا بلکہ ساکت تھا حضرت موسیٰ شعلہ کی یہ
کیفیت دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے انہوں نے واپس آنے کا ارادہ کیا تو وہ آگ
آگے بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی اور اس میں سے آواز آئی اے موسیٰ میں ہوں
پروردگار جہانوں کا۔ پس تو اپنی جوتی اتار دے تو اس وقت طویٰ کے
مقدس وادی میں کھڑا ہے اور دیکھ میں نے تجھ کو اپنی رسالت کے واسطے چن لیا
ہے حضرت موسیٰ نے جس شعلہ کو آگ سمجھا تھا وہ در حقیقت نورِ الٰہی
کا شعلہ تھا اس شعلہ کی مناسبت سے اردو میں شعلہ طور شعلہ ایمن شعلہ
سینا آتش طور آتش موسیٰ کی تلمیحات مستعمل ہے۔

امجد

بھولے سے یادِ رخِ زیبا نہ کریں گے
تم حور بھی بن جاؤ تو پروا نہ کریں گے

امجد

زنگی بھی ہے حور چشم بینا کے لئے
ہر سنگ ہے طور چشم بینا کے لئے
اعمیٰ کے لئے نور میں ظلمت ہے
ظلمت میں ہے نور چشم بینا کے لئے

امجد کہتے ہیں کہ چشم بینا کے لئے زنگی بھی حور ہے اور ہر سنگ طور ہے چشم بینا کے لئے اندھے کو نور میں بھی اندھیرا نظر آتا ہے اور جس کا نور بصیرت روشن ہو چکا ہو اس کو ظلمت اور اندھیرے میں نور نظر آتا ہے۔

خلیل اللہ

خلیل حضرت ابراہیم کا لقب ہے جو ان کی مہمان نوازی، وسعت دسترخوان اخلاق کریمانہ اور حلم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا اور ان کو اپنا دوست قرار دیا تھا۔ حضرت ابراہیم کا لقب خلیل اور خلیل اللہ ایسے ہی پسندیدہ اوصاف کا انعام تھا۔ ان کی مہمان نوازی نے ضرب المثل کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ان کا یہ معمول تھا کہ بغیر مہمان کبھی کھانا نہیں کھاتے اتفاق سے اگر کوئی مہمان نہ ہو تو اس دن فاقہ سے رہتے تھے ایک بار کا ذکر ہے کہ آپ کسی مہمان کی تلاش میں جنگل میں نکلے تھے کہ ایک بوڑھا مل گیا۔ آپ اس کو گھر لے آئے اور کھانا کھلا کر خدا کے یکتا کا شکر ادا کرنے کو کہا وہ بوڑھا بت پرست تھا اس نے شرمندہ ہو کر جواب دیا میں تیرے رب کو نہیں جانتا کہ کون ہے میں تو اپنے معبود کا شکر گذار ہوں جو میرے گھر کے طاق میں رکھا ہوا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو یہ الفاظ اس درجہ ناگوار گذرے کہ انہوں نے بوڑھے کو اپنے گھر سے نکال دیا تھوڑی دیر کے بعد ان کو اپنے اس عمل پر تکدر ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ جس خدائے واحد کا میں شکر ادا کرنا چاہتا تھا وہ تو اتنا کریم ہے کہ اس بوڑھے کو برابر اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے۔ اس کی بت پرستی اور کفر و شرک سے ناراض ہو

کر ایک وقت بھی اس پر رزق بند نہیں کر رہا ہے پھر مجھے کیا حق تھا کہ اس نے میرا کہنا نہ مانا تو میں اس کو گھر سے نکال دیا غرض کہ یہ اوصاف جمیلہ تھے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا دوست قرار دیا تھا۔

حضرت ابراہیم ؑ نے ہوش سنبھالتے ہی سوچنا شروع کر دیا یہ سورج چاند ستارے خود غلاموں کی طرح گردش کر رہے ہیں اور یہ پتھر کے بت جنھیں خود اپنے ہاتھ سے بناتا ہے۔ اور یہ بادشاہ ہم ہی جیسے انسان ہیں آخر یہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں میرا رب تو وہی ہو سکتا ہے جس نے سب کو پیدا کیا جس کے سب محتاج ہیں یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم ؑ نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ جن معبودوں کو میری قوم پوجتی ہیں میں ان کو ہرگز نہ پوجونگا اور اس فیصلہ پر پہونچنے کے بعد انہوں نے علی الاعلان لوگوں سے کہدیا کہ۔ جن کو تم خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ میں نے سب سے منہ موڑ کر اس ذات کی عبادت اور بندگی کے لئے خاص کر لیا ہے۔ جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والا نہیں ہوں۔ اس اعلان کے بعد حضرت ابراہیم ؑ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے حکومت ان کے پیچھے پڑ گئی اور بادشاہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا بادشاہ کے دربار میں جا کر صاف کہدیا

کہ تو میرا رب نہیں ہے بلکہ وہ ہے جس کے ہاتھ میں میری اور تیری زندگی اور موت ہے۔ آخر شاہی دربار میں فیصلہ ہوا کہ اس شخص کو زندہ جلا دیا جائے حضرت ابراہیمؑ اس ہولناک سزا کو بھگتنے کے لئے بھی تیار ہو گئے پھر جب اللہ نے اپنی قدرت سے اس کو آگ میں جلنے سے بچا لیا۔

اک ہم ہیں کہ کوششوں پر بھی
دامِ غفلت سے نکل نہیں سکتے
امجد
بعض بندے خلیل کے مانند
آگ میں گر کر جل نہیں سکتے

—x—

امجد
جس دم کرم جلیل ہوتا ہے
ابنِ آذر خلیل ہو جاتا ہے۔

امجد کہتے ہیں کہ جس دم اللہ تبارک و تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے تو آذر کا بیٹا اللہ کا دوست ہو جاتا ہے۔ اور ایک ہم ہیں کہ ہزار کوششوں پر بھی غفلت کے پردہ سے نکل نہیں سکتے لیکن بعض بندے خلیل کے مانند آگ میں گر کر جل نہیں سکتے۔ عشقِ الٰہی حضرت ابراہیم کی زندگی کا سرنامہ تھا قرآن مجید نے آپکو موحد خالص خلیل اللہ۔ صالح صدیق تسلیم و رضا کی تعریف فرمائی ہے

خاتم انبیاء

قرآن کے سیاق و سباق اور لغت کے لحاظ سے اس لفظ کا جو مفہوم ہے اس کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات کرتی ہیں مثال کے طور پر چند صحیح ترین احادیث یہاں نقل کیے جاتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے گذرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین جمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے۔ مگر کہتے ہیں کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی تو وہ اینٹ میں ہوں خاتم النبی ہوں۔ یعنی میرے آنے پر نبوت کی عمارت مکمل ہو چکی ہے اب کوئی جگہ باقی نہیں ہے۔ جسے پُر کرنے کے لئے کوئی آئے۔

اسی مضمون کی چار حدیثیں مسلم کتاب الفضائل باب خاتم النبیین میں ہے اور آخری حدیث میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ پس میں آیا اور میں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے چھ باتوں میں انبیاؤں پر فضیلت دی گئی (۱) مجھے جامع مختصر بات کہنے کی صلاحیت دی گئی (۲) مجھے رعب کے ذریعہ سے نصرت بخشی گئی (۳) میرے لئے اموال غنیمت

حلال کیے گئے (۴) میرے لیے زمین کو مسجد بھی بنا دیا گیا اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی یعنی میری شریعت میں نماز صرف مخصوص عبادت گاہوں ہی میں نہیں بلکہ دوسرے زمین پر ہر جگہ پڑھی جا سکتی ہے اور پانی نہ ملے تو میری شریعت میں تیمم کر کے وضو کی حاجت میں پوری کی جا سکتی ہے اور غسل کی حاجت بھی (۵) مجھے تمام دنیا کے لیے رسول بنایا گیا (۶) اور میرے اوپر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا میرے بعد اب کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں محمد ہوں میں احمد ہوں میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعہ سے کفر محو کیا جائیگا میں حاشر ہوں کہ میرے بعد لوگ حشر میں جمع کیے جائیں گے یعنی میرے بعد اب بس قیامت ہی آنی ہے اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ عبدالرحمن بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر بن العاص کو یہ کہتے سنا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے نکل کر ہمارے درمیان تشریف لائے اس انداز سے کہ گویا آپ ہم میں سے رخصت ہو رہے ہیں آپ نے تین مرتبہ فرمایا میں محمد نبی امی ہوں پھر فرمایا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے

اگر بعد کوئی نبی ہوتے عمر بن خطاب ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہے جو موسیٰ کے ساتھ ہارون کی تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور یہ کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں احادیث کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے مختلف موقعوں پر مختلف طریقوں سے مختلف الفاظ میں اس کی تشریح فرمائی ہے کہ آپ آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہو چکا ہے اور آپ کے بعد جو لوگ بھی رسول یا نبی ہونے کا دعویٰ کریں وہ دجال و کذاب ہیں قرآن کے الفاظ "خاتم النبیین" سے زیادہ مستند و معتبر اور قطعی ثبوت اور تشریح کیا ہو سکتی ہے۔

قرآن و سنت کے بعد تیسرے درجہ میں اہم ترین حیثیت صحابہ کرام کی اجماع کی ہے یہ بات تمام معتبر تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جن لوگوں نے ان کی نبوت تسلیم کی ان سب کے خلاف صحابہ کرامؓ بالاتفاق جنگ کی تھی۔ دور صحابہ کے بعد علمائے امت کا اجماع ہے اس لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو

معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی سے لے کر آج تک ہر زمانے میں اور پوری دنیائے اسلام میں ہر ملک کے علماء اس عقیدے پر متفق ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا اور یہ کہ جو بھی آپ کے بعد اس منصب کا دعویٰ کرے یا اس کو مانے وہ کافر خارج از ملت اسلام ہے۔

رخ مہر ہے خط شعاعی کی طرح
وہ گلہ امت میں ہے راعی کی طرح
اس خاتم انبیاء کا آخر میں ظہور
ہے مصرعہ آخر رباعی کی طرح

امجد

امجد کہتے ہیں کہ چہرہ مبارک رخ مہر ہے خط شعاعی کی طرح اور حضور ؐ ایک راعی کی طرح ہیں اس خاتم انبیاء کا آخر میں ظہور اس طرح ہے جس طرح رباعی میں مصرعہ آخر ہوتا ہے رباعی میں مصرعہ آخر کی بڑی اہمیت ہوتی ہے مصرعہ آخر نہ ہو تو بات پوری نہیں ہوتی تو گویا حضور کا خاتم انبیاء ہونا ایسا ہی ہے جیسا رباعی میں مصرعہ آخر ہوتا ہے۔

ڈارون

چارلس ڈارون ارا سمس ڈارون کا بیٹا تھا انگلستان 1809ء میں پیدا ہوا۔ چارلس چھ بھائیوں میں سے پانچواں تھا یہی وہ آدمی ہے جس نے زندگی کے معمے حل کئے اور دنیا کے سامنے ارتقاء کا نظریہ پیش کیا۔ وہ ابھی آٹھ ہی سال کا تھا کہ اس کی والدہ کا انتقال ہوگیا اس کے باپ اور بڑی بہنوں نے اس کی پرورش کی۔ چارلس ڈارون کو بچپن ہی سے کیمیا کے تجربوں اور تحقیق کا شوق تھا وہ اپنے گھر پر ایک چھوٹی سی تجربہ گاہ میں ہی تجربات کیا کرتا تھا اس کے علاوہ اس کو پودوں اور معدنیات اور دوسرے قدرتی چیزوں سے بڑا لگاؤ تھا جہاں کہیں کوئی ایسی چیز نظر آتی وہ فوراً اٹھا لیتا تھا اور گھر لاکر اپنے خزانے میں جمع کر لیتا تھا۔ چارلس ڈارون کے خاندان کے لوگوں کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بزرگوں کا پیشہ اختیار کرے اور اسی پیشہ کو اختیار کرتے ہوئے وہ ڈاکٹر بنے لہٰذا اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے 1825ء ایڈنبرا یونیورسٹی میں داخل کر دیا گیا لیکن ڈاکٹری پڑھنے میں اس کا جی نہیں لگتا تھا۔ آپریشن کے کمرے سے اسے وحشت تھی۔ ایک دوست کے مشورہ سے 1828ء میں کیمبرج کے ایک کالج میں داخل ہوگیا وہاں فرصت وقت قدرتی مناظر دیکھنے نباتات جمع کرنے اور

سیر و تفریح میں گزارنے لگا اسے طرح طرح کے پتنگے جمع کرنے کا شوق تھا یہی زمانہ اس کے فطری ہونے کی ابتدا تھی۔ یہاں پر نباتات کے ایک استاد پروفیسر ہین سیلو سے اس کی ملاقات ہوئی چارلس ڈاروِن کو بڑی خواہش تھی کہ اسے دنیا میں گھومنے پھرنے نباتات اور حیوانات کو دیکھنے کا موقع ملے اتفاق سے پروفیسر ہین سیلو کے ذریعہ جلدی ہی یہ موقع مل گیا۔ ایک بحری جہاز جس کا نام بیگل تھا دنیا کے دورے پر جا رہا تھا وہاں پر ایک ماہر نباتات کی ضرورت تھی جو ساتھ ساتھ چلے اس مقصد کے لئے چارلس ڈاروِن کا انتخاب ہوگیا یہ سفر پانچ سال جاری رہا اس دوران ڈاروِن کو جنوبی امریکہ دیکھنے کے علاوہ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ۔ جزائر مالدیپ اور بہت سے دوسرے جزیروں اور ملکوں کی سیر کرنے کا موقع ملا اور وہ وطن واپس آیا اب اس کے پاس پودوں اور جانوروں کے نہایت ہی نادر نمونے موجود تھے جو کہ اس نے اس سفر کے دوران جمع کئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سفر کے دوران اسے نظریہ ارتقاء کا خیال آیا کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ تمام مخلوقات زندگی گذارنے کے لئے ایک دوسرے پر منحصر ہوتے ہیں چارلس ڈاروِن کی صحت تمام عمر خراب رہی لیکن جب بھی صحت ساز گار رہتی وہ خاموشی سے مطالعہ میں مصروف رہتا اس

نے بہت سے تجربات کئے اور 1869ء میں ایک ایسی کتاب شائع کی جس نے اس کے نام کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا اس کتاب میں ڈارون نے بتایا کہ مختلف جاندار کس طرح وجود میں آتے ہیں۔ ڈارون اتنا مشہور ہو چکا تھا کہ اس کتاب کی بارہ سو جلدیں پہلے ہی دن فروخت ہو گئیں لوگوں نے اسے پڑھا تو ملک میں آگ لگ گئی۔ مذہبی رہنماؤں اور سائنس دانوں میں اچھی خاصی جنگ چھڑ گئی کیونکہ اس نے اپنی کتاب میں ثابت کیا تھا کہ انسان بندر کی نسل سے ہے پادریوں نے اس نظریہ کو بائبل کے خلاف ثابت کیا 1871ء میں اس نے انسانی جسم کی ساخت اور بناوٹ پر روشنی ڈالی۔ اس کا تعلق گوریلہ سے دکھایا گیا اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی کے زندگی ترقی کر کے موجودہ شکل میں آئی 19 اپریل 1882ء کو اس عظیم سائنس دان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے نظریات سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن حقیقت تک پہونچنے کا جذبہ قابل قدر ہے۔

امجد

یہ ثابت ہے کہ ہر شیئی اصل کی جانب پلٹتی ہے
نمایاں اب ہمارے اصل جوہر ہوتے جاتے ہیں
بقول ڈارون بندر سے ہم انسان بنے لیکن
بقول امجد اب انسان سے بندر ہوتے جاتے ہیں

امجد نے اپنی رباعی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر شئے اصل کی جانب پلٹتی ہے۔ انسان کے اندر جو جوہر ہیں اب وہ نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ امجد کہتے ہیں کہ ڈارون نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پہلے انسان بندر تھا جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اس طرح وہ ترقی کرتے کرتے موجودہ شکل اختیار کر لیا۔ لیکن امجد کو اس بات کا شدید افسوس ہے کہ آج کا انسان انسان نہیں رہا یا وجود انسان کامل بننے کے ابھی عادات و صفات کے لحاظ سے بندر بنتا جا رہا ہے اس لئے امجد نے کہا کہ امجد اب انسان سے بندر ہوتے جاتے ہیں۔

ساقی کوثر

کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ اس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا اور دودھ سے زیادہ سفید۔ اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ کیوڑے اور گلاب کی سی اس میں خوشبو آتی ہے۔ اس پانی کو "شراباً طہورا" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارکہ سے اُسے بہشتیوں کو مرحمت فرمائیں گے اردو ادب میں بیشتر مقامات پر یہ تلمیح اس معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کوثر وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ ابن عباس رضؓ کے خاص شاگرد سعید بن جبیر رضؓ سے کسی نے کہا کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے تو سعید بن جبیر رضؓ نے جواب دیا کہ ابن عباس رضؓ کا قول اس کے منافی نہیں۔ وہ نہر جنت جس کا نام کوثر ہے وہ بھی اس خیر کثیر میں ہے اس لئے امام تفسیر مجاہد نے کوثر کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ دنیا و آخرت دونوں کی خیر کثیر ہے۔ اس میں جنت کی خاص نہر کوثر بھی داخل ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔ میں حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ ایک دن جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے درمیان

تھے اچانک آپ پر ایک قسم کی نیند یا بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوئی پھر
ہنستے ہوئے آپؐ نے سر مبارک اٹھایا ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا مجھ پر اسی وقت ایک
سورت نازل ہوئی۔ پھر آپؐ نے بسم اللہ کے ساتھ سورہ کوثر پڑھی
پھر فرمایا تم جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے۔ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول
جانتے ہیں آپؐ نے فرمایا یہ ایک نہر جنت ہے جس کا میرے رب نے
مجھ سے وعدہ فرمایا ہے جس میں خیر کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس پر
میری امت قیامت کے روز پانی پینے کے لئے آئیگی اس کے پانی پینے کے برتن
آسمان کے ستاروں کے تعداد میں ہوں گے۔ اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے
حوض کوثر سے ہٹائیں گے تو میں کہونگا کے میرے پروردگار یہ تو میری امت میں
ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ آپ نہیں جانتے کہ اس نے آپؐ کے بعد
نیا دین اختیار کیا تھا۔ ابن کثیر نے اس روایت میں مزید لکھا ہے کہ
حوض کی صفت میں حدیث میں آیا ہے کہ اس میں دو پرنالے آسمان سے
گریں گے۔ جو نہر کوثر کے پانی سے بھر دیں گے۔ اس کے برتن آسمان کے ستاروں
کی تعداد میں ہوں گے۔ لفظ کوثر کی صحیح تفسیر خیر کثیر اور یہ بھی کہ اس خیر کثیر

میں وہ حوض کوثر کو بھی شامل ہیں جو امت محمدیہ کو سیراب کرے گی
نیز اس روایت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اصل نہر کوثر جنت میں ہے یہ
حوض کوثر میدان حشر میں ہوگی۔ اس میں دو پرنالوں کے ذریعہ نہر کوثر کا پانی
ڈالا جائے گا۔ اس میں ان روایات تطبیق ہوتی ہے جن سے معلوم ہوتا
ہے کہ حوض کوثر پر امت محمدیہ کا ورود و دخول جنت سے پہلے ہوگا اور
اس حدیث میں بعض لوگوں کو حوض کوثر سے نکال دینے کا ذکر ہے یہ وہ لوگ
ہیں جو اسلام سے پھر گئے یا پہلے ہی سے مسلمان نہیں تھے۔ مگر منافقانہ اظہار
اسلام کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا نفاق کھل گیا احادیث
صحیحہ میں حوض کوثر کے پانی کی صفائی اور شیرینی اور اس کے کناروں کا جواہرات
سے مرصع ہونے کے متعلق ایسے اوصاف مذکور ہیں کہ دنیا میں اس کا کسی چیز پر
قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

جھول بندہ کی بندہ پرور بھر دے
امجد کشکول میں مقصود کے گوہر بھر دے
صدقہ تیرے میخوارنے کے میخواروں کا
اے ساقی کوثر میرا ساغر بھر دے

سنگ اسود

سنگ اسود یعنی سیاہ پتھر مقامات و متعلقات کعبہ شریف میں سب سے اہم اور رفیع الشان علامت ہے جو عام دنیوی پتھروں کے مانند نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت جبرئیلؑ نے اسے جنت سے لاکر ان کے ہاتھوں حوالہ کیا تھا۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے اسے کعبۃ اللہ میں جانب مشرق نصب کیا تھا قریش کے ہاتھوں کعبہ شریف کے تعمیر کے وقت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اپنے مقدس ہاتھوں سے اس مقام پر نصب فرمایا۔ جو کعبہ میں اس کا محل تھا (ابن ہشام) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حجر اسود اور مقام ابراہیمؑ جنت کے یاقوت ہیں (ترمذی) فرمایا حجر اسود جنت کے پتھروں میں سے ایک ہے (طبرانی) فرمایا حجر اسود جنت سے نازل ہوا۔ فرمایا حجر اسود جنت کے یاقوتوں میں سفید یاقوت ہے (ترمذی، نسائی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حجر اسود پہلے سفید تھا بنی آدم کے گناہوں کو جذب کرتے رہنے کے سبب اب سیاہ ہوگیا۔ اور حجر اسود سے موسوم ہوگیا۔ حجر اسود کے نزول کے متعلق متعدد روایتیں ہیں۔ حجر اسود حضرت آدمؑ کے ساتھ اترا (طبرانی)

حجر اسود تعمیر کعبہ سے چالیس سال قبل کوہ ابو قبیس پر اترا ایک اور روایت میں ہے کہ حجر اسود حضرت ابراہیمؑ سے بہت پہلے اترا - اور طوفان نوحؑ کے وقت اوپر اٹھا لیا گیا پھر تعمیر کعبہ کے وقت حضرت جبرئیلؑ اسے لے کر آئے خانہ کعبہ کی تعمیر کے سلسلہ میں مشہور و معروف روایتوں میں ذکر ہے کہ جب کعبہ کی دیواریں اونچی ہوئیں تو جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو حکم دے کر کہا کہ ہمارے لئے کوئی پتھر لاؤ جس پر ہم کھڑے ہو کر دیوار بنائیں - حضرت اسماعیلؑ پتھر کی تلاش میں کوہ ابو قبیس تشریف لے گئے راہ میں حضرت جبرئیلؑ ملے اور کہا - آیئے میں آپکو ایک پتھر بتاؤں جو حضرت آدمؑ کے ساتھ دنیا میں آیا اور اسے حضرت ادریسؑ نے طوفان نوح کے خوف سے اس پہاڑ میں دفن کر دیا - اس جگہ دو چھوٹے بڑے پتھر مدفون ہیں چھوٹے کو تو کعبہ کی دیواروں اور دروازوں کے قریب لگا دو کہ ہر طواف کرنے والا اس کو چوما کرے - یعنی سنگ اسود چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے چھوٹے پتھر یعنی حجر اسود کو دیوار کعبہ میں نصب کر دیا تو اس کی روشنی چاروں طرف دور تک جاتی تھی اور جہاں تک اس کی روشنی پہونچتی وہاں حدود حرم مقرر ہے حجر اسود کو بوسہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے - کعبہ کے افضل و

اشرف حصہ میں حجر اسود نصب ہے طواف کا آغاز و اختتام یہیں سے ہوتا ہے حجر اسود آج بھی کعبۃ اللہ کی دیوار زمین سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر نصب اور موجود ہے اگرچہ کہ وہ اس وقت کئی ٹکڑوں میں منقسم ہے جن کی تعداد کے متعلق مختلف بیانات ہیں تاہم ان تمام ٹکڑوں کو خاص طریقہ سے جوڑ کر ایک چاندی کے حلقہ میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ واللہ حضرت اسود کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس طرح اٹھائے گا کہ اس کی آنکھیں ہوں گی جس سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے کلام کریگا۔ جس نے حق کے ساتھ اسے بوسہ دیا ہے اس کے لئے شہادت دیگا۔ فرمایا حجر اسود جب جنت سے اترا تھا تو دودھ سے زیادہ سفید تھا پھر بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔ (ترمذی) قدیم زمانے میں ایک مرتبہ جب کہ کعبۃ اللہ کو خوشبو دی جا رہی تھی تو اچانک غلاف کعبہ کو آگ لگ گئی۔ جس سے حجر اسود بھی جھلس گیا ۶۴ھ میں عبداللہ بن زبیرؓ اور اموی فوج سے لڑائی میں ایک بار پھر خوفناک آگ سے حجر اسود تین ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ جسے بعد میں چاندی کے خول میں محفوظ کر دیا گیا ۳۱۶ھ تا ۳۳۹ھ ۲۲ سال حجر اسود بحرین میں رہا اور

رکن اسود کی جگہ خالی رہی کیونکہ قرامطہ اسے اٹھا کر لے گئے تھے اس کے بعد حجر اسود واپس لایا گیا اور دوبارہ اسی جگہ نصب کر دیا گیا۔

طیبہ ہی کو اب کعبہ مقصد کہئے
دہلیز نبی کو سنگ اسود کہئے
امجد
گر حمد خدا کا حق ادا کرنا ہے
دل سے ایک بار یا محمد کہئے

شیخ جی اس نمائشی حج سے
نام اسلام کیوں تباہ کرو
امجد
اپنے اعمال کی سیاہی سے
سنگ اسود کو کیوں سیاہ کرو۔

پہلے رباعی میں طیبہ کی اہمیت اور دہلیز نبی کی اہمیت کو واضح کرد کھایا ہے۔ اور کہا کہ خدا کی تعریف کا حق ادا کرنا ہے تو ایک بار دل سے یا محمد کہئے۔
دوسری رباعی میں اس نمائشی حج سے متعلق مذمت بیان کی گئی ہے اور کہا کہ اپنے اعمال کی سیاہی سے حجر اسود کو کیوں سیاہ کرتے ہو۔

شیطان

اللہ تعالیٰ نے جب اس دنیا میں اپنا خلیفہ بھیجنا چاہا تو اس نے
سب سے پہلے مٹی سے آدم کا پتلا تیار کیا اور پھر اس میں روح پھونکی
تو وہ پتلا فوراً ہی گوشت و پوست کا انسان بن گیا اس کے بعد فرشتوں کو حکم
ہوا کہ اس انسان کے سامنے سربسجود ہو جاؤ تمام فرشتوں نے حکم کی تعمیل
کی لیکن عزازیل فرشتہ نے سجدہ نہ کیا یہ علم و فضل میں تمام فرشتوں سے
بڑھا ہوا تھا فرشتوں کی تعلیم و تلقین اس کے سپرد تھی اور معلم الملکوت
کے لقب سے مشہور تھا اس نے آدم کو سجدہ کرنے میں اپنی توہین محسوس کی
اور صاف انکار کر دیا عزازیل کے تمام مراتب اسی وقت چھین لئے گئے اور
شیطان و ابلیس کے لقب دیکر طوق لعنت اس کے گلے میں ڈال دیا گیا اور
بارگاہ الٰہی سے نکال دیا گیا۔ عزازیل یعنی ابلیس کو جب جنت سے نکالا
گیا تو اس نے توبہ ندامت کی جگہ قیامت تک مہلت طلب کی تھی جب
اس کی درخواست قبول ہو گئی تو اس نے کہا تھا جب تو نے مجھے راندۂ درگاہ
کر دیا ہے تو رب میں بنی آدم کو گمراہ کروں گا اور ان کو ناشکر گزار بناؤں گا
اسی دن سے شیطان کا کام بنی آدم کو بہکانے اور اس کو معصیت کی ترغیب

دینے کا ہو گیا۔ عزازیل در حقیقت فرشتہ نہیں بلکہ قوم جن سے تھا پہلے اس پر دۂ زمین پر جن ہی قابض و متصرف تھے جب اس قوم نے نافرمانی کی تو حکم الٰہی پر فرشتوں نے اس کو معدوم کر دیا تھا۔ اسی گروہ میں عزازیل بھی شامل تھا اس کے علم و شرف سے متاثر ہو کر اور جبرئیل کی خصوصی سفارش پر اس کی خطا معاف ہو گئی اور فرشتوں کے ساتھ تسبیح و تحلیل کرنے کی اجازت بھی مل گئی اس کے بعد معلم الملکوت بنایا گیا۔ ابلیس کا اصل ابلیس یعنی خدا کی رحمت سے نا امید ہونا ہے اور شیطان سے مراد نافرمان ہے۔ حکم الٰہی سے بغاوت پر اس نے توبہ و ندامت کی جگہ قیامت تک مہلت لے لی ہے تاکہ بنی آدم کو گمراہ کر سکے اب اس کا کام انسانوں کو گناہ اور معصیت کی ترغیب دینا ہے۔ اب شیطان کا نام کنایتہً شریر بد ذات فسادی اور نافرمان کے معنوں میں مستعمل ہے۔ شوخ اور شریر لڑکوں کے گروہ کو بھی شیطانی لشکر کہا جاتا ہے۔

جو خاک نشیں رہا وہ انسان ہوا
سمجھا جو انا کو خیر شیطان ہوا

امجد

امجد ایک جگہ شیطان سے متعلق رباعی کہتے ہیں

انسان ہر ایک آئینہ رحمان ہے

امجد ہر شخص اپنے قیاس پر نازاں ہے

جو بد فطرت ہیں سب کو بد کہتے ہیں

شیطان کی نظر میں ہر ولی شیطان ہے

—x—

یا صد نقش و نگار اچھا لکھا

امجد ہر حرف کو بار بار اچھا لکھا

لیکن معنی سے خبث فطری نہ گیا

نقطہ شیطان ہزار اچھا لکھا

یہ بات قابل غور ہے کہ ابلیس علم و معرفت میں یہ مقام رکھتا تھا کہ اس کو طاؤس الملائکہ کہا جاتا تھا پھر اس سے یہ حرکت کیسے صادر ہوئی بعض علماء نے فرمایا کہ اس کے تکبر کے سبب اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی دی ہوئی معرفت اور علم و فہم کی دولت سلب کر لی اس لئے ایسی جہالت کا کام کر بیٹھا بعض نے کہا کہ حب جاہ اور خود پسندی نے حقیقت شناسی کے باوجود اس بلا میں مبتلا کر دیا۔ کہ بعض اوقات کسی گناہ کے وبال سے بچنے کے لئے تائید حق انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو اس کی ہر کوشش اور عمل اس کو گمراہی کی طرف دھکیل دیتا ہے۔

شب قدر

شب قدر مسلمانوں کے نزدیک ایک انتہائی متبرک رات ہے اس رات کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں آسمان کی کھڑکی کھل جاتی ہے اور خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کی عبادت دیکھنے کے لئے آسمان اول پر ہوتا ہے اس رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں کے برابر سمجھی جاتی ہے قرآن مجید کے نزول کی ابتدا بھی اسی رات سے ہوئی تھی شب قدر کے تعین میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن اکثریت کا اتفاق اس پر ہے کہ یہ ۲۷ رمضان کی رات ہے

سمندر میں گوہر کہاں چھپ رہا ہے
نہ تم جانتے ہو نہ ہم جانتے ہیں
امجد
زمانے میں ہو قدر اچھوں کی کیونکر
شب قدر کو لوگ کم جانتے ہیں۔

ہر رات وہ عرش سے اتر آتا ہے
جو اس کو بلائے اس کے گھر آتا ہے
امجد
ہے دیدہ بیدار کو ہر شب شب قدر
شب کے پردہ میں رب نظر آتا ہے

ذرہ ذرہ میں نور صد بدر ہے آج
ہر نجم فلک کی بزم کا صدر ہے آج
میرا بھی سیاہ خانہ روشن کر دے
میں بھی کہوں کہ لیلۃ القدر ہے آج

لیلۃ القدر کے معنیٰ قدر کے ایک معنیٰ عظمت و شرف کے ہیں اور اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ اس رات کی عظمت و شرف ہے اس رات کو لیلۃ القدر اس وجہ سے کہا گیا کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے علمی کے سبب کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس رات میں توبہ و استغفار اور عبادت کے ذریعہ وہ صاحب قدر و شرف بن جاسکتا ہے قدر کے دوسرے معنیٰ تقدیر و حکم کے بھی آتے ہیں اس معنیٰ کے اعتبار سے لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس رات میں تمام مخلوقات کے لئے جو کچھ تقدیر ازلی میں لکھا ہے۔ اس کا جو حصہ اس سال میں رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آنے والا ہے۔ وہ ان فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر و تنفیذ امور کے لئے مامور ہیں اسی میں ہر انسان کی عمر اور موت رزق اور بارش وغیرہ کی تقدیریں مقرر

فرشتوں کو لکھوا دی جاتی ہیں یہاں تک کہ جس شخص کو اس سال حج نصیب ہوگا وہ بھی لکھ دیا جاتا ہے اور یہ فرشتے جن کو یہ امور سپرد کئے جاتے ہیں بقول ابن عباسؓ چار ہیں۔ اسرافیلؑ میکائیلؑ۔ عزرائیلؑ۔ جبرئیلؑ۔ (منتہی یات تو قرآن کریم کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شب قدر ماہ رمضان مبارک میں آتی ہے مگر تاریخ کے تعین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ جو چالیس تک پہونچتے ہیں مگر تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان مبارک آخیر عشرہ میں ہوتی ہے۔ مگر آخری عشرہ کی کوئی خاص تاریخ متعین نہیں۔ بلکہ ان میں سے کوئی بھی رات ہو سکتی ہے وہ ہر رمضان میں بدلتی بھی رہتی ہے اور ان دس میں سے خاص طاق راتیں یعنی ۲۱ - ۲۳ - ۲۵ - ۲۷ - ۲۹ میں از روئے حدیث صحیح زیادہ احتمال ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شب قدر میں عبادت کے لئے کھڑا رہا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر میں وہ تمام فرشتے جن کا مقام سدرۃ المنتہیٰ ہے جبرئیل امین کے

ساتھ دنیا میں اترتے ہیں اور کوئی مومن مرد یا عورت ایسے نہیں جس کو وہ سلام نہ کرتے ہوں بجز اس آدمی کے جو شراب پیتا یا خنزیر کا گوشت کھاتا ہو اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم بدنصیب ہے۔ شب قدر میں بعض حضرات کو خاص انوار کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے مگر نہ یہ سب کو حاصل ہوتا ہے نہ رات کی برکت اور ثواب حاصل ہونے میں ایسے مشاہدات کا کچھ دخل ہے اس لئے اس کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے امجد کہتے ہیں کہ ذرہ ذرہ میں نور صد بدر آج ہیرا بھی سیاہ خانہ روشن کر دے اس لئے کہ لیلۃ القدر آج۔ یوں تو اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان اول پر نزول فرماتے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا میں اس کو بخش دوں ہے کوئی بیمار میں اس کو شفاء عطا کر دوں۔ امجد کے کہنے کے مطابق جو اس کو ملے اس کے گھر آتا ہے۔ شب میں جاگنے والے کے لئے ہر شب شب قدر ہے شب کے پردے میں رب نظر آتا ہے۔

شیخ سعدی کی اشرفی

شیخ سعدی کی اشرفی اس ناشائستہ بات کو کہتے ہیں جس کا بدلہ کہیں نہ کہیں ضرور مل کر رہے گا۔ کہتے ہیں کہ ایک شریر نماز پڑھنے میں لوگوں کی ٹانگیں گھسیٹ لیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب سجدہ کرتے وقت اس نے شیخ سعدی کی ٹانگ گھسیٹی تو انہوں نے ملامت کرنے کے بجائے سلام پھیر کر ایک اشرفی اس کے حوالہ کیا۔ تاکہ یہ سزا پڑ جائے تو وہ کہیں نہ کہیں اس کی سزا پائے اسے تو اشرفی کی چاٹ لگ ہی گئی تھی۔ اتفاق سے ایک جلاد پٹھان کے ساتھ بھی اس نے یہی حرکت کی اس نے سلام پھیرتے ہی تلوار میان سے نکال لی اور اس شریر کی گردن اڑا دی۔

تم کسی شخص سے بدی کر کے
امید نہ رکھو پھر امید نیکی کی
بد معاشوں کے ساتھ حسن سلوک
اشرفی ہے یہ شیخ سعدی کی

امجد کہتے ہیں کہ تم کسی شخص سے بدی کر کے پھر اس سے نیکی کی امید نہ رکھو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ نیکی نہیں کر سکتا بد معاشوں کے ساتھ حسن سلوک اشرفی ہے یہ شیخ سعدی کی۔

شہاب ثاقب

ماخوذ معارف القرآن۔ شہاب ثاقب کے ذریعہ ہر قسم کے شیاطین کو عالم بالا کی باتیں سننے سے روکا جاتا ہے۔ وہ غیبی خبروں کے سن گن کے لئے آسمان کے قریب جاتے ہیں۔ لیکن انہیں فرشتوں کی باتیں سننے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ کوئی شیطان اگر کوئی آدھی تہائی بات سُن بھاگتا ہے تو اسے دہکتے ہوئے شعلہ کے ذریعہ مار لگائی جاتی ہے تاکہ وہ دنیا میں پہونچ کر اپنے معتقد کاہنوں اور نجومیوں کو کچھ بتا نہ سکے اسی دہکتے ہوئے شعلہ کو شہاب ثاقب کہا گیا۔ قدیم یونانی فلاسفہ اس بات کے قائل تھے کہ شہاب ثاقب دراصل کوئی زمینی مادہ ہوتا ہے۔ جو بخارات کے ساتھ اوپر چلا جاتا ہے۔ اور کرہ نار کے قریب پہونچ کر جل اٹھتا ہے۔ لیکن قرآن کریم کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "شہاب ثاقب" کوئی زمینی مادہ نہیں۔ بلکہ عالم بالا میں پیدا ہونے والی کوئی چیز ہے۔ قدیم مفسرین اس موقع پر یہ کہتے آئے ہیں کہ یونانی فلاسفہ کا یہ خیال کہ شہاب ثاقب کوئی زمینی مادہ ہے محض قیاس اور تخمینہ پر مبنی ہے لیکن آج جدید

سائنسی تحقیقات نے یہ سوال ہی ختم کر دیا۔ موجودہ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ شہاب ثاقب ان گنت ستاروں ہی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ شہاب ثاقب یہ ایسے ٹھوس اجسام ہیں جو خلا میں تقریباً 25 میل فی سکنڈ کی رفتار سے سفر کرتے ہیں۔ جب زمین کی فضاء میں داخل ہوتے ہیں تو ہم کو جلتے ہوئے منور اجسام کی صورت میں آسمان پر نظر آتے ہیں۔ زمین خود اپنے محور پر سفر کر رہی ہے اس لئے شہابوں کی رفتار اور زمین کی رفتار کے تفاوت سے جو رگڑ پیدا ہوتی ہے وہ زبردست حرارت پیدا کرتی ہے۔ یہ حرارت اتنی تیز ہوتی ہے کہ روز ہزاروں لاکھوں شہاب فضاء کی بلندیوں پر ہی جل کر بھاپ میں بدلتے رہتے ہیں۔ مگر صرف ایسے ہی شہاب زمین پر وارد ہونے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ جو دیو قامت ہوں۔ بعض شہاب ریت کے ذروں کی طرح چھوٹے ہوتے ہیں۔ بعض تو لاکھوں ٹن وزنی۔ ان کی زرد۔ سبز۔ سرخ روشنی دراصل ان کے درجۂ حرارت کی تبدیلی کی غمازی کرتی ہے یہ بھی ایک دلچسپ مشاہدہ ہے کہ شہاب ثاقب اکیلے سفر نہیں کرتے بلکہ یہ جماعتوں اور گروپ کی شکل میں ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر تو ہمارے نظام شمسی کا حصہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے وہ نظام شمسی کے دوسرے سیاروں کے ساتھ سفر کرتے

ہوئے جب زمین کے مدار کی کشش میں آتے ہیں تو زمین کی طرف رخ کرتے ہیں شہاب ثاقب کے ایسے مادے کو کائناتی گرد بھی کہا جاتا ہے

کنکر تھا ایک شہاب ثاقب کی طرح
امجد — شیطان کو زار زار روتے دیکھا
دل سنگ دلی سے اپنی تھرا اٹھا
جب سنگ کو سنگسار ہوتے دیکھا۔

امجد کہتے ہیں کہ کنکر تھا ایک شہاب ثاقب کی طرح یعنی منیٰ میں پہونچ کر حاجی لوگ تین روز تک تین مقامات پر سات سات کنکریاں مارتے ہیں اس کو رمی جمار کہتے ہیں۔ یہ مغفل واجبات حج میں خیال کیا جاتا ہے رمی جمار سے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو خدا کی راہ میں قربان کرنے لے جا رہے تھے تو شیطان نے باپ اور بیٹے کو بہکانے کی ناکام کوشش کی تھی انہیں مقامات پر شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں امجد کہتے ہیں کہ ہر حاجی کی ایک ایک کنکر شہاب ثاقب کی طرح گزرتا دیکھا اور شیطان کو زار زار روتے دیکھا جس سنگ دلی سے کنکریاں مارتے دیکھا تو امجد تھرا اٹھے کہ ایک پتھر کو سنگسار کیا جا رہا ہے۔

شجرِ طور

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایک بار کوہ طور پر پہونچے تھے یہ پہاڑ شام میں واقع ہے اس کے دامن میں وادی ایمن تھی وہاں ان کو سخت سردی محسوس ہوئی سردی کی وجہ سے چقماق بے کار ہو گیا تھا اس لئے انہوں نے آگ کی جستجو میں ادھر ادھر نظر دوڑائی تو ان کو وادی ایمن میں ایک شعلہ سا چمکتا ہوا معلوم ہوا وہ اس شعلہ کو آگ سمجھ کر آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک درخت پر شعلہ سا چمک رہا ہے وہ شعلہ بھی عجیب تھا کہ اس کی تپش سے نہ تو درخت جل رہا تھا اور نہ وہ جل بجھ رہا تھا لیکن وہ ساکت تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام شعلہ کی یہ کیفیت دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے انہوں نے واپس آنے کا ارادہ کیا تو وہ آگ آگے بڑھتے ہوئی محسوس ہوئی اور اس میں سے آواز آئی اے موسیٰ میں ہوں پروردگار جہانوں کا۔ پس تو اپنی جوتی اتار دے تو اس وقت طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے اور دیکھ تجھ کو میں نے اپنی رسالت کے واسطہ چن لیا ہے حضرت موسیٰ نے جس شعلہ کو آگ سمجھا تھا وہ درحقیقت نور الٰہی کا شعلہ تھا

شعلۂ نور جس درخت پر جلوہ فگن ہوا تھا وہ درخت بھی مشہور ہو گیا ہے اس کو تلمیحاً شجر طور شجر موسیٰ شجر کلیم نخل طور نخل موسیٰ نخل ایمن نخل سینا کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کیلئے گئے تھے اور پیغمبری ملی معجزے عطا ہوئے اور شرف ہم کلامی سے نوازے گئے۔ ان سے پہلے یہ شرف کسی بھی نبی کو نہیں بخشا گیا تھا۔ ان واقعات سے کوہ طور وادی سینا اور وادی ایمن کی عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے اور ان مقامات کا نام بھی ہمیشہ کیلئے مشہور ہو گیا ہے اردو میں کوہ طور۔ طور۔ طور سینا وادی ایمن۔ وادی طویٰ۔ وادی سینا کی تلمیحات بھی عام طور پر استعمال ہوتی ہیں

سبز گنبد سے سر گردوں تک
اک خط نور نظر آتا ہے
کچھ عجب رنگ ہے اس گنبد کا
شجر طور نظر آتا ہے۔

امجد

امجد کہتے ہیں کہ سبز گنبد سے سر گردوں تک اک خط نور نظر آتا ہے یعنی سبز گنبد پر باران رحمت و انوار کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے سلطان محمد خاں عثمانی نے گنبد مبارک کو سبز رنگ سے مزین کیا

اس وقت سے ہجیرہ شریف کا یہ قبہ گنبد خضرا سے معروف ہے
اکثر کہتے ہیں کہ کچھ عجب رنگ ہے اس گنبد کا کہ شجر طور نظر آتا
ہے۔ جیسے طور پر خدا کا جلوہ موسیٰ کو نظر آیا اسی طرح سبز گنبد پر
بھی اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اور ہر وقت باران رحمت
اور انوار کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

عصائے کلیم

حضرت موسیٰؑ نے سب سے پہلے وادی ایمن میں ندائے الٰہی سنی تھی اور اسی موقع پر ان کو رسالت سے نواز کر دو بڑے معجزے ید بیضا اور عصا بھی عطا ہوئے تھے۔ بندے اور رب کی یہ پہلی گفتگو کافی دلچسپ تھی اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کلام کا آغاز کرتے ہوئے پوچھا۔ اے موسیٰ یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔ حضرت موسیٰ پر اس وقت عجیب کیفیت طاری تھی اس سوال کا جواب تو صرف اتنا ہونا چاہیئے تھا کہ عصا ہے لیکن وارفتگی عشق میں عاشق صادق کو یہ خیال بھی نہ رہا کہ جو سوال ہے صرف اسی کا جواب دیا جائے۔ عرض کیا یہ میری لاٹھی ہے بکریاں چراتے وقت میں اس پر سہارا لیتا ہوں اور درخت سے بکریوں کے لئے پتے بھی جھاڑ لیتا ہوں۔ وفور شوق میں وہ اس کے فوائد بھی بیان کرنے لگے۔ پھر یکایک محبوب حقیقی کا پاس ادب مانع آیا اور دل میں سوچا کہ اے موسیٰ خبردار کس کے دربار میں کھڑے ہو کہیں یہ طول بیانی گستاخی اور بے ادبی میں داخل نہ ہو جائے اس وقت انہوں نے پہلو بدل کر عرض کیا اور میرے لئے اس سے متعلق اور بھی ضروریات ہیں۔ یہ اور بھی طول

بیانی تھی لیکن قرب محبوب نے ان کو وارفتہ کر دیا تھا اس کے بعد بھی متعدد
بار حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف ہوئے اور لذت کیف
وسماع سے نوازے گئے ان سے پہلے کسی نبی کو یہ شرف نہیں بخشا گیا تھا

امجد
وہی اثر در وہی عصائے کلیم
وہی قطرہ وہی در شہوار

فرعون

فرعون کے لفظی معنیٰ "نہنگ" کے ہیں فراعنہ اس کی جمع ہے یہ قدیم مصر کے بادشاہوں کا خطاب تھا جنہوں نے نیم خدا کی حیثیت اختیار کر رکھی تھی اردو میں مجازاً متکبر۔ سرکش اور مغرور کو فرعون کہتے ہیں مصر کے لوگ اپنے بادشاہ فرعون کو سورج دیوتا کا اوتار سمجھتے تھے جو وہاں کے تمام دیوتاؤں میں بلند اور برتر تھا اس طرح تاجداران مصر نے نیم خدا کی سی حیثیت اختیار کر رکھی تھی۔ فرعون سے مراد عام طور پر اس بادشاہ سے لی جاتی ہے جو حضرت موسیٰ کے زمانے میں موجود تھا۔

حضرت موسیٰ کی پیدائش سے قبل فرعون نے ایک بھیانک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر نجومیوں اور کاہنوں نے یہ دی تھی کہ حکومت فرعون کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھوں ہوگا۔ یہ سن کر فرعون نے اپنے سپاہیوں میں سے ایک جماعت مقرر کر دی کہ اسرائیلی لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے اس طرح ہزاروں معصوم بچے قتل کر دئے گئے۔ حضرت موسیٰ جب پیدا ہوئے تو ان کے گھر والوں نے تین مہینہ تک لوگوں کی نگاہوں سے ان کو محفوظ رکھا لیکن جاسوسوں کی دیکھ بھال کر دی تھی اور بہت دنوں تک اس واقعہ کو پوشیدہ

نہیں رکھا جا سکتا تھا اس لئے ان کی والدہ نے تابوت کی مانند ایک
صندوق میں بچے کو بند کر اس صندوق کو دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دیا
ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت پہلے ہی سنا دی کہ ہم اس بچے کو تیری جانب
واپس کر دیں گے اور یہ ہمارا پیغمبر اور رسول ہو گا۔ یہ صندوق بہتا ہوا
جب محل شاہی کے سامنے سے گزرا تو فرعون کی بیوی آسیہ نے اسے
نکال لیا اور جب صندوق کھول کر دیکھا تو اس میں ایک حسین اور تندرست
بچہ آرام سے لیٹا ہوا انگوٹھا چوس رہا تھا۔ فرعون کی بیوی نے اس بچے کو قتل
نہ ہونے دیا اور اپنا بیٹا بنا کر اس کی پرورش کرنے لگی حضرت موسیٰ اسی طرح
عرصہ دراز تک شاہی تربیت میں پلتے اور بڑھتے رہے جب وہ شباب
کے دور میں داخل ہوئے تو نہایت قوی بہادر جوان نکلے اس وقت ان
کو یہ معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی ہیں۔ اور فرعون سے ان کی کوئی قرابت نہیں
انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ فرعون ان کی قوم پر سخت ظلم کر رہا تھا اس لئے
وہ اکثر اسرائیلوں کی نصرت و حمایت میں پیش پیش ہو جایا کرتے
تھے ان کے اسی جرم پر فرعون ان کا جانی دشمن ہو گیا اس سے پہلے کہ وہ ان
کو کوئی سزا دیتا وہ ایک دن خاموشی کے ساتھ ارض مدین کو روانہ ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا - اور عصائے موسیٰ و ید بیضاء کے دو بڑے معجزے عطا کرنے کے بعد حضرت موسیٰ اپنے بھائی ہارون کے ساتھ فرعون کے دربار میں پہونچے - اور بلا خوف و خطر اپنے آنے کی وجہ بیان کی آپ نے فرمایا ہم لوگ جہانوں کے پروردگار کے ایلچی ہیں اور یہ پیغام لے کر آئے ہیں کہ اول تو خدا پر یقین لا اور ظلم سے باز آ اور دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل کی مدد کر اور ان کو اپنی غلامی سے نجات دے فرعون نے اپنی مغرورانہ سرشت کے مطابق حضرت موسیٰ کے پیغمبر ہونے کا انکار کیا اور مذاق تحقیر کرتے ہوئے حضرت موسیٰ کی شخصیت پر بحث شروع کر دی اور ان کو ڈرایا - لیکن حضرت موسیٰ پر کوئی اثر ہوا نہ وہ فرعون سے خوف زدہ ہوئے پھر ربوبیت الٰہی پر فرعون اور حضرت موسیٰ میں مذاکرہ ہوا حضرت موسیٰ حکم کے مطابق برابر شیریں کلام نرم گفتاری کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کو راہ حق دکھانے کی کوشش کرتے رہے - انہوں نے فرعون کے دربار میں آیات اللہ کا مظاہرہ بھی کیا - اور ساحرین مصر سے مقابلہ بھی کیا غرض حق و باطل کی ہر ہر جنگ میں فرعون اور اس کے اعیان و ارکان کو سخت شکست اٹھانی پڑی اور وہ ہر مقابلہ میں بر سر عام ذلیل و رسوا ہوا - ان تمام

باتوں کے باوجود فرعون راہ راست پر نہ آیا اسی طرح یہ سلسلہ مدت دراز تک چلتا رہا فرعون نے کسی طرح بھی دین حق کو قبول نہ کیا۔ حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ تم اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر اپنے باپ کی طرف لے جاؤ حضرت موسیٰ نے ارض کنعان جانے کے لئے بحر احمر کا راستہ پسند کیا اور وہ ایک دفعہ رات کو اپنے بھائی ہارون اور اپنی قوم کو لے کر بحر احمر پار لے گئے فرعون کو جب معلوم ہوا تو ایک زبردست فوج کے ساتھ موسیٰ کا تعاقب کیا موسیٰ کے ساتھیوں کی تعداد علاوہ بچوں بقول توراۃ چھ لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ فرعون کا لشکر جب ان کے سر پر پہونچ گیا تو وحی الٰہی کے مطابق انہوں نے اپنی لاٹھی کو بحر احمر پر مارا جس سے قلزم پھٹ گیا اور اس کے درمیان ایک راستہ بن گیا۔ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم خشک زمین کی طرح اس راستہ کو پار کر گئے۔ فرعون نے بھی اس راستہ پر موسیٰ کا تعاقب کیا حضرت موسیٰ جب بنی اسرائیل کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہونچ گئے تو اس وقت وہ راستہ اصلی حالت پر آگیا۔ فرعون اس وقت بحر احمر کے وسط میں تھا۔ وہ اپنے تمام لشکر کے ساتھ غرقاب ہوگیا کہتے ہیں کہ ڈوبتے وقت فرعون کو بنی اسرائیل کے خدا پر یقین ہوا تھا اور اس

وقت اس نے کہا تھا کہ میں بھی اسی خدا پر ایمان لاتا ہوں جو بنی اسرائیل کا ہے اور میں اس کے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ فرعون کی اس پکار پر پروردگار الٰہی سے جو رب ملا۔ آج کے دن ہم تیرے جسم کو ان لوگوں کے لئے جو تیرے پیچھے آنے والے ہیں محفوظ رکھیں گے تاکہ وہ عبرت کا نشان بنیں۔ پھر فرعون کی لاش کو سمندر نے اگل دیا۔ فرعون کی لاش مصری عجائب خانے میں اب بھی محفوظ ہے۔

جب آگئی پیری تو عصا یاد آیا
رستہ بھٹکے تو رہنما یاد آیا
امجد
فرعون بھی وقت غرق لایا ایمان
جب چل نہ سکی خود کی تو خدا یاد آیا

جہاں کرسی ملی فرعون ہیں ہم
امجد
سمجھتے ہیں بھیر کون ہیں ہم

نادان کو ہوس کی جھیل میں غرق نہ کر
امجد
فرعون بنا کے نیل میں غرق نہ کر

قارون

از تفسیر بیضاوی۔ قارون بنی اسرائیل کے ایک مالدار شخص کا نام جس کے خزانے کی کنجیاں چالیس خچروں پر بار ہوتی تھیں وہ اپنی کنجوسی کی وجہ سے حضرت موسیٰ کی بددعا سے وہ اپنے خزانے کے ساتھ زمین میں دھنس گیا اب مجازاً ہر بخیل کو قارون کہتے ہیں اور خزانہ قارون کنایتہً بڑے خزانے اور بے انتہا دولت کیلئے آتا ہے۔

قارون بن یصہر بن قاہث حضرت موسیٰ کا چچازاد بھائی تھا یہ بے انتہا حسین تھا جس کی وجہ سے اپنی قوم میں منور کے لقب سے مشہور تھا شروع میں قارون کا زہد و تقویٰ بہت بڑا ہوا تھا وہ دن رات عبادت الٰہی میں مشغول رہتا تھا حضرت موسیٰؑ کے بعد زاہد و عابد لوگوں میں اس کا نام لیا جاتا تھا یہ ان ستر آدمیوں میں سے تھا جن کو لے کر حضرت موسیٰؑ طور پر گئے تھے اور ان کو مکالمہ الٰہی سنا کر مشرف فرمایا تھا پہلے یہ بہت مفلس تھا اور دن رات حضرت موسیٰؑ سے اکتساب علم کیا کرتا تھا ایک بار جو اس کی تقدیر نے پلٹا کھایا تو اتنے بڑے خزانے کا مالک ہوگیا کہ اس کی کنجیاں چالیس اونٹ ایک روایت کے مطابق ساٹھ خچروں پر

ہیوں تھیما سعید بن مسیب اور ضحاک کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ
حضرت موسیٰؑ علم کیمیا سے واقف تھے اس کا ایک ثبوت انہوں نے
قارون کو اس وقت بتایا تھا جب کہ وہ اکتساب علم کر رہا تھا تفسیر کبیر
کے مطابق اس نے کس طرح بقیہ حصہ بھی معلوم کر لیا اور پھر وہ چاندی
اور تانبہ سے سونا بنانے لگا ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس نے
یہ دولت اس زمانے میں جمع کی تھی جب فرعون مصر کے یہاں ملازم تھا
بہر حال مالدار ہوتے ہی قارون کی فطرت بدل گئی اور وہ اپنی مالداری
کو عطیۂ خداوندی کے بجائے اپنے دانش و علم کا نتیجہ سمجھنے لگا
نشہ دولت سے سرشار ہو کر اس نے مخلوق خدا کے ساتھ تنگ کرنا
شروع کر دیا اور ساتھ ہی اس کی کنجوسی بھی بڑھ گئی
حضرت موسیٰؑ نے قارون کو ایک ہزار میں ہزار زکوٰۃ دینے کا حکم
دیا تھا اس پر وہ ان سے منحرف ہو گیا۔ اسے مال کی بہت
محبت تھی پھر جب کہ حضرت موسیٰؑ نے ہزار درہم میں سے ایک درہم
زکوٰۃ دینے کو کہا تھا لیکن اس میں بھی بہت سا مال صرف ہوتا تھا

چنانچہ قارون کو موسیٰؑ سے عداوت ہوگئی اس نے ایک عورت کو جو زنا سے حاملہ ہوئی تھی بہت سا روپیہ دیکر اس بات پر آمادہ کیا کہ بنی اسرائیل کے مجمع میں کہدے کہ مجھ سے موسیٰ نے زنا کیا ہے۔ اور یہ عمل اس کا تھا حضرت موسیٰؑ عید کے دن وعظ کہہ رہے تھے اور احکام حدود و قصاص بیان کر رہے تھے انہوں نے فرمایا کہ جو کوئی زنا کرے اور نکاح اس کا نہ ہوا ہو تو ہم اس کو سو درّے ماریں گے اور جو زنا کرے اور نکاح اس کا ہو گیا ہو تو اسے سنگسار کریں گے قارون نے کہا اے موسیٰ اگر خود تم نے ہی ایسی بات کی ہو حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ میں ایسی بات کروں تو مجھ پر بھی اسی طرح کی حد جاری ہوگی قارون نے کہا کہ فلاں عورت کہتی ہے کہ تم نے اس سے زنا کیا پھر اس عورت کو پیش کیا حضرت موسیٰ نے اس عورت سے کہا کہ سچ سچ بیان کر اس نے کہا کہ قارون مجھے روپیہ دیکر تم پر تہمت لگانے کیلئے لایا لیکن تم پاک اور میرا ہو اس پر موسیٰؑ کا جلال جوش میں آگیا اور زمین سے کہا خُذیہ یعنی قارون کو لے لے اس وقت قارون زمین میں ٹخنوں تک دھنس گیا

قارون نے عاجزی شروع کی اور کہا کہ اے موسیٰ مجھے بچاؤ مگر
حضرت موسیٰ کو ایسا جلال آگیا تھا کہ پرگز نہ مانے اور پھر کہا خدایا
اب قارون گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا قارون گڑگڑاتا رہا لیکن
حضرت موسیٰ خدمیہ فرماتے رہے اور زمین قارون کو دھنساتی رہی یہاں
تک کہ سر تا پاؤں دھنس گیا پھر خدا کے تعالیٰ نے اپنے حکم سے
قارون کا گھر اور اس کا سارا خزانہ اس کے سر پر رکھ کر زمین میں دھنسا
دیا

امجد انسان حیلہ جو کو
ہاتھ آتے ہیں نت نئے بہانے
قارون زمین میں کیوں نہ دھنستا
ہیں دفن زمین میں خزانے

امجد

امجد کہتے ہیں کہ انسان حیلہ جو ہے۔ نت نئے طریقوں سے حیلہ کرتا ہے
جیسا کہ قارون نے زکوٰۃ سے بچنے کیلئے بہانے تلاش کرتے ہوئے موسیٰ علیہ
پر تہمت لگائی۔ جس کے نتیجہ میں موسیٰ علیہ نے بددعا دی اور قارون سمیت
اپنے خزانے کے زمین میں دھنس گیا۔ امجد کہتے ہیں کہ قارون کو زمین
میں دھنسانا ہی تھا اس لئے کہ زمین میں بہت سارے خزانے مدفون ہیں

کولمبس

مشہور سیاح کرسٹوفر کولمبس نے جب ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کرنے کا ارادہ کیا تو تین چھوٹے چھوٹے جہاز سانتا میرا - پنٹا اور نینا لے کر بحری سفر پر روانہ ہوا اور مختلف راستوں سے ہوتا ہوا 12 اکتوبر 1492ء کو جزائر بہاما کے مقام سان سلوا ڈور پہنچ گیا - یہ امریکہ میں اس کا پہلا قدم تھا - لیکن اسے اپنی وفات تک اس حقیقت کا علم نہیں ہو سکا تھا کہ اس نے جس مقامات پر قدم رکھا ہے وہ ہندوستان نہیں بلکہ ایک اور ہی دنیا امریکہ ہے۔

کوئی نہ ملا اس سے ملانے والا
دیکھا نہ گیا دکھائی نہ دکھانے والا
امجد — اس دور میں ایک بھی کولمبس نہ ہوا
امریکہ کا پتہ چلانے والا -

امجد کہتے ہیں کہ کولمبس نے سفر کرتے کرتے ایک ایسے مقام پر پہنچی جس کو نئی دنیا یا امریکہ کہتے ہیں لیکن اس دور میں ایسا کوئی نہ ہوا -

کعبہ

کعبہ کے لغوی معنیٰ بلندی اور سطح مرتفع کے ہیں۔ بیت اللہ کو کعبہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی سطح مرتفع یا از روئے مراتب رفیع اور عظیم الشان ہے تمام عالم کے مسلمان اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور ہر سال ۱۰ ذوالحجہ کو یہاں جمع ہو کر اس کا طواف کرتے ہیں مشہور ہے کعبہ کی اساس حضرت آدم نے رکھی تھی لیکن قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ قرآن مجید کے مطابق کعبہ کی تعمیر کا کام حضرت ابراہیم اور ان کے عالی مرتبت بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے مبارک ہاتھوں سے پورا ہوا تھا یہ خدا کا پہلا گھر ہے جو خدا پرستی کے معبد و مرکز کی حیثیت سے تمام جہان والوں کیلئے سرتاپا برکت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک یہ معبد عظیم مشرکین کے قبضہ میں رہا اور اس میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے یہ سب پتھر کی مورتیاں نہ تھیں بلکہ ان میں سے کچھ تصاویر بھی تھے سال کے ہر دن کے واسطے ایک بت عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ یا عرب کے تمام قبیلوں اور جدا جدا قوموں کے یہ بت تھے۔ فتح مکہ ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کے دن جب آنحضرتؐ نے ان بتوں کو کعبہ سے دور کیا تو آپکی زبان

مبارک پر یہ آیت کریمہ تھا جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

مغموم کے قلب منحل کو توڑا
امجد یا منزل فیض متصل کو توڑا
کعبہ ڈھاتا تو پھر بنا بھی لیتے
رونا تو یہ ہے کہ تو نے دل کو توڑا

X

کعبہ میں نماز کا طریقہ دیکھا
امجد کثرت میں بھی توحید کا نقشہ دیکھا
ہر چند کہ مختلف ہے ہر ایک کی سمت
لیکن ہر ایک کو رو بقبلہ دیکھا

امجد کہتے ہیں کہ مغموم کے قلب منحل کو توڑا لیکن منزل فیض متصل کو توڑا کعبہ ڈھاتا تو پھر بنا لیتے رونا تو یہ ہے کہ تو نے دل کو توڑا۔ امجد کے نزدیک دل کی بڑی اہمیت ہے وہ کہتے ہیں ٹوٹا ہوا دل پھر دوبارہ بنانا مشکل کام ہے کعبہ گرا دینا تو بنا لیتے مگر کسی کا دل توڑنے کے بعد دوبارہ جوڑ جانا مشکل کام ہے۔

لاحول

معبود حقیقی کے اظہار جلال و قوت پر ایک آیت ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ حول (قوت و توانائی) اور قوت کسی دوسرے میں نہیں ہے یہ آیت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ کی تصدیق اور اقرار کیلئے پڑھی جاتی ہے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اس آیت کو پڑھنے سے وسوسہ اندازی نہیں ہو سکتی یہ کلمہ اظہار نفرت و حقارت کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے ایسے موقعوں پر لاحول ولاقوۃ کہا جاتا ہے

امجد
انسانوں میں کرتا ہے اگر کوئی گناہ
شیطان کا نام لیتے ہیں خواہ مخواہ
شیطان خلاف حق کوئی کام کرے
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

امجد کہتے ہیں کہ انسانوں میں اگر کوئی گناہ کا کام کرتا ہے تو شیطان کا نام لیتے ہیں کہ شیطان نے یہ کام کروایا، حالانکہ شیطان خلاف حق کام کرواتا ہے اس پر امجد نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ قوت اور توانائی کسی اور کے میں نہیں ہے۔

ایک اور جگہ میں حضرت امجد کہتے ہیں۔

صورت اپنی ہے نہ سیرت اپنی
مانگی ہوئی ہے کسی سے فطرت اپنی
لاحول ولا قوۃ سے ثابت ہے
کوئی حرکت اپنی نہ قوت اپنی

ہے تیرے ہی ہاتھ میں سفید و سیاہ
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

امجد

لیلیٰ قیس

قیس بچپن سے ہی لیلیٰ پر عاشق ہو گیا تھا جبکہ وہ دونوں ایک ہی مکتب میں پڑھتے تھے لیلیٰ ایسی خوبصورت بھی نہ تھی بلکہ سیاہ فام سانولی تھی۔ لیکن قیس کی حالت یہ تھی کہ استاد جو سوال بھی کرتا اس کی زبان سے لیلیٰ ہی نکلتا تھا۔ بہت دنوں تک دونوں کا عشق اس طرح چلتا رہا کہ جبتک دونوں کا بچپن رہا یہ عشق بھی چھپا رہا لیکن جب لیلیٰ سیانی ہو چلی تو تاڑنے والی نظریں اس پر پڑنے لگیں لوگوں میں چرچے ہونے اور آخر یہ بات گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں پہونچے گی لیلیٰ کے باپ نے اسے مکتب بھیجنا بند کر دیا اور اس کا ہر وہ کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیس پر دیوانگی طاری ہو گئی وہ کبھی روتا کبھی گریبان چاک کرتا اور کبھی درمن پھاڑتا اب اس کا یہی کام رہ گیا تھا۔ لیلیٰ کے فراق میں گلی کوچوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اس بار اس نے مکان کے غرفے سے لیلیٰ کو دیکھ لیا تو جنون اور تیز ہوا۔ لیکن لیلیٰ کے باپ نے وہ کھڑکی بھی بند کرا دی اور لیلیٰ پر کڑی پابندیاں لگا دیں۔ لیلیٰ کبھی باغ کی سیر کو جاتی تھی تو مجنوں بھی اس کے

محل کے پیچھے دوڑتا چلا جاتا تھا لیلیٰ بھی جب اس کے غل و شور کو
سنتی تو محل کے پردے کو ذرا سا اٹھا دیتی تھی اور اس طرح دونوں
عاشق و معشوق ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنے دل کی آگ کو ٹھنڈا کر لیتے تھے
اس طرح عرصہ دراز تک یہی سلسلہ چلتا رہا اور قیس کی وحشت اور دیوانگی
بھی بڑھتی گئی قیس کے باپ نے جب اس کی یہ بے کلی دیکھی تو قبیلہ کے لوگوں
سے مشورہ کر کے لیلیٰ کا پیغام دیا لیلیٰ کے ماں باپ نے شادی کرنے سے
انکار کر دیا۔ قیس کو راہ راست پر لانے کی ہر چند کوشش کی گئی لیکن اس پر
تو جنون طاری ہو چکا تھا اس لئے یہ شادی نہ ہوئی اب تو قیس کا یہ
عالم ہو گیا تھا کہ گلی کوچوں میں دیوانہ وار مارا مارا پھرتا تھا اور لڑکوں کا ہجوم
اس کے پیچھے تالیاں بجاتا ہوا اور شور و غل کرتا ہوا ساتھ رہتا تھا ایسی
حالت میں وہ ریگ صحرائے نجد کی طرف نکل گیا اور ریگستانی ٹیلوں پر
اپنی زندگی کے دن گذارنے لگا تھوڑے ہی دن میں وہ سوکھ کر کانٹا
ہو گیا۔ جب اس کا باپ ڈھونڈتا ہوا وہاں پہونچا تو وہ اتنا خود
رفتہ ہو چکا تھا کہ باپ کو بھی نہ پہچان سکا قبیلہ کے لوگ کئی بار
اسے پکڑ لائے لیکن وہ چند روز کے بعد ہی پھر ریگستان کی طرف بھاگ

جاتا تھا اسی زمانے میں بنی امیہ کے ایک سردار نوفل کا گذر
اسی صحرا سے ہوا قیس کی حالت دیکھ کر اس کو بہت ترس آیا اس
نے قیس سے بات چیت کی اور وعدہ کیا کہ وہ لیلیٰ سے اس کی شادی
کرا دے گا پھر نوفل نے قیس کو نہلا دھلا کر اور بنا سنوار کر اپنے
ساتھ لے کر لیلیٰ کے گھر کی طرف روانہ ہوا جب قبیلہ بنی عامر کو
یہ اطلاع ملی تو وہ لوگ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے نوفل کی فوج کم تھی
اس لئے معمولی لڑائی کے بعد صلح ہو گئی - اور قیس نے دوبارہ صحرا کا
راستہ لیا اسی زمانے میں قیس کو اس کا باپ حج بیت اللہ کے
لے گیا اس کا خیال تھا کہ شاید حج کی برکت سے اس کا جنون کم ہو
جائے وہ خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر بارگاہ میں قیس کی صحت اور عشق دور
ہونے کی دعا مانگی - عین اسی وقت کسی عورت نے دوسری عورت کو آواز
دی جس کا نام بھی اتفاق سے لیلیٰ ہی تھا اس نام نے قیس کے سینہ
میں عشق کی آگ دوبارہ بھڑکا دی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا
اور جب اسے ہوش آیا تو کپڑے پھاڑ کر پھر جنگل کو چل دیا

اس بار اس کا جنون بہت بڑھ چکا تھا صحرا کے ایک کنارے سے
دوسرے کنارے تک صبح و شام دوڑتا ہر وقت لیلیٰ لیلیٰ کہتا
اس کا نام ریت پر لکھتا اور ہر اونٹ سوار کے پیچھے دوڑتا بھاگتا ہوا چلا جاتا تھا
اسی زمانے میں اس نے جو اشعار کہے ان کا مقام بھی ادب میں کافی اونچا ہے
لیلیٰ کی شادی اس کے ماں باپ نے دوسرے سے زبردستی کر دی تھی دوسری طرف لیلیٰ
کا بھی حال قیس جیسا ہی تھا وہ بھی اس کے عشق کی آگ میں جل جل کر خاک ہو رہی
تھی اور آخر اس صدمے نے ایک دن اس کی جان لے لی۔

ایک ناقہ سوار سے جب یہ خبر قیس کو ملی تو شدت غم سے بے اختیار قبرستان
پہونچ گیا اس نے لوگوں سے لیلیٰ کی قبر معلوم کی لیکن کسی نے نہ بتایا آخر اس نے
ہر قبر کی مٹی اٹھا کر سونگھنا شروع کی جب لیلیٰ کی قبر کی مٹی کو سونگھا
تو بے اختیار شعر پڑھنے لگا — لوگ چاہتے ہیں کہ اس کے
عاشق سے اس کی قبر چھپائیں مگر خود قبر کی مٹی بتا رہی ہے کہ کس کی قبر
ہے یہ شعر پڑھتے پڑھتے قبر لیلیٰ پر گرا اور مر گیا۔ لیلیٰ کی قبر کے
برابر ہی اس کی قبر بھی بنا دی گئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ قبیلہ بنی عامر
کو اس سے پہلے کبھی بھی اتنا ماتم کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا تھا جس

قدر وہ قیس کی تجہیز و تکفین کرتے ہوئے رو رہے تھے ایک عام ماتم اور کہرام مچا ہوا تھا۔ اب کنایتہً ہر حسین و جمیل معشوقہ کو لیلیٰ اور ہر عاشق مزاج نوجوان کو قیس یا مجنوں کہتے ہیں۔ اس قصے کے لئے اردو میں صحرائے نجد۔ صحرائے مجنوں۔ محمل لیلیٰ۔ ناقہ لیلیٰ اور عبا قیس۔ وادی نجد۔ اور محمل نشیں کی تلمیحات استعمال ہوتی ہیں۔

تو اپنے پاس گر بلا نہیں سکتا
خودی سے اپنی گذرنا تو تیرے ہاتھ میں ہے
بھٹک رہا ہے کہاں کوہ دشت میں اے قیس
زمام ناقہ لیلیٰ تو تیرے ہاتھ میں ہے۔

مثل حسین سر قلم ہوتا ہے

شہید کربلا امام حسین کا لقب ہے کیونکہ یزید بن معاویہ کے حکم سے آپ کربلا کے میدان میں شہید کر دئے گئے تھے امیر معاویہ کا ارادہ تھا کہ وہ خلافت کو اپنے خاندان میں موروثی کر دیں اس لئے انہوں نے اپنے فاسق فاجر بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ امیر معاویہ کا انتقال ہوا تو ۶۰ھ میں یزید تخت پر بیٹھا حضرت امام حسین جو بقیہ آل عباس تھے کسی طرح بھی یزید کی خلافت کو تسلیم کرنا نہیں چاہتے تھے اور نہ اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ یزید جیسا جواری۔ شرابی۔ اور فاسق و فساق اس منصب کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔ دوسری طرف اعیان و اکابر عراق نے حضرت امام کے پاس متعدد قاصد اور خطوط بھیجے کہ وہ ان کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں چنانچہ آپ ستر آدمیوں کا قافلہ لے کر دریائے فرات کے کنارے پہونچ گئے۔ ان میں ۵۲ رفیق ۱۲ بھائی و بیٹے اور ایک غلام تھا۔ ابن زیاد کے حکم پر عمر سعد نے پانچ ہزار سواروں کا لشکر لے کر کربلا کے مقام پر امام عالی مقام کو روک دیا۔ نہر فرات پر قبضہ کر کے لشکر امام نے ۷ سے ۱۰ محرم تک پانی بند کر رکھا ۱۰ محرم ۶۰ھ کو جب ساتھی شہید ہو گئے تو امام عالی مقام نے

آخری خطبہ بطور اتمام حجت دیا اس خطبہ کو سن کر عراقی فوج کے دل دہل گئے۔ لیکن بد باطن لعینوں کے دل پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ عمر سعد کے حکم سے تمام لشکر نے تیر برسایا کہ جسم سے خون بہنا شروع ہو گیا بلکہ پہلے تو عمر سعد نے آگے بڑھ کر جناب امام حسین کو شہید کرنے کا خود ارادہ کیا لیکن وہ نادم ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ حضرت امام حسین ؑ کا صبر بھی مشہور ہے اور آپکو سید الصابرین کہا جاتا ہے کربلا کے میدان میں آپ نے حق پرستی ایثار و قربانی۔ صبر و شکر طاعت و رضا قوت برداشت اور عزت نفس کی وہ مثال پیش کی ہے جو آنے والی نسلوں کے لئے قیامت تک مشعل راہ ہوگی۔ امام مظلوم نے مادیت اور روحانیت سے ٹکرا کر ناقابل تردید شکست دی اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ بے انصافی ظلم کے ساتھ چاہے حکومت کی طاقت ہو یا سامان جنگ کی کثرت لیکن بے سروسامان ہونے کے باوجود بھی ظلم اور بے انصافی کو نہ برداشت کرنا چاہیئے۔ انہوں نے ذلت کی زندگی پر موت کو ترجیح دی ہر ہر مصیبت کا استقبال آگے بڑھ کر خندہ پیشانی کے ساتھ کیا ظلم کرنے والے پست ہو گئے لیکن سہنے والا نہ تھکا۔ تشدد کی انتہا کے ساتھ ان کے چہرے پر اطمینان و مسرت کی لہر دوڑنے لگی تھی۔ ان کے جوان بیٹے کے سینہ میں بھالا لگا جس

ماہ کے معصوم نے آغوشِ پدر میں شہادت پائی جاں نثار اور برادر کے بھائی عباس نے آنکھوں کے سامنے دم توڑا۔ جوان قاسم نے چاچا کی گود میں خیمہ کی راہ لی۔ جوان بھانجوں نے جدائی کا داغ دیا ننھے اور معصوم بچوں پر پانی بند ہوا خیموں کو جلتی ہوئی ریت پر لگانے پر مجبور کیا اور خود ان کو نماز پڑھنے کی مہلت بھی نہ ملی اور سجدے ہی میں سر قلم ہوا لیکن ان تمام ظلم و ستم کے باوجود بھی حسین کی پیشانی پر بل نہ آیا کیا اس صبر و شکر کی کوئی دوسری مثال بھی ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ خود عمر سعد کی فوج کے ایک سپاہی کا بیان ہے کہ خدا کی قسم میں نے کوئی بھی ایسا دل شکستہ اور زخم رسیدہ انسان نہیں دیکھا جس کی اولاد بھائی اور عزیز سب قتل کر دئے گئے ہوں اور وہ حسین سے زیادہ مطمئن مستقل مزاج ثابت قدم اور بلند ہمت ہو ان سے زیادہ تو کیا میں نے ان سے قبل اور ان کے بعد بھی ان کی مثال نہ کسی کو دیکھا اور نہ سنا۔ یہ تھا حسین کا صبر و استقلال اور قوت برداشت اور تحمل کا وہ کارنامہ جس کو دشمن تک نے تسلیم کیا ہے۔

دنیا میں یزیدیت کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ حسینیت ابھی باقی ہے اور اس کا صبر و تحمل بھی ——— امجد کہتے ہیں۔

پیاسا رہے تین دن مگر اس پر بھی
اس قہر زدہ شہر کا پانی نہ پیا
امجد
اللہ رے تقویٰ حسین بن علی کا
ان کافروں کے نہر کا پانی نہ پیا

—X—

مشکل ہے بہت صاحب ایمان ہونا
امجد کچھ کھیل نہیں ہے حق پہ قربان ہونا
یاں مثل حسین سر قلم ہوتا ہے
امجد آساں نہیں مسلماں ہونا

امجد کہتے ہیں کہ مشکل ہے بہت صاحب ایمان ہونا جو صاحب ایمان ہوتا ہے تو مختلف قسم کے مصائب اور پریشانیاں اس کو گھیر لیتی ہے۔ اور پھر کچھ کھیل نہیں حق پہ قربان ہونا امام حسینؑ باطل کو قبول نہ کرتے ہوئے "حق" وصداقت پہ باقی رہتے ہوئے اپنے آپ کو اپنے اہل خاندان کے ساتھ کربلا میں قربان کر دیا مگر باطل سے سمجھوتہ نہیں کیا۔

امجد کہتے ہیں کہ جو حق پہ قائم رہتا ہے اس کا مثل حسین سر قلم ہوتا ہے بہر حال آخر میں طاقت باطل کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے حق غالب آجاتا ہے اور باطل مغلوب

معراج

قیام مکہ کے دوران نبوت کے گیارھویں سال معراج ہوئی آپ ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف رکھتے تھے کہ جبھت شق ہوئی اور حضرت جبرئیل تشریف لائے اور آپ کو اٹھا کر مسجد حرام لے گئے اور وہاں سینہ مبارک اور شکم مبارک چاک کیا اور دل مبارک و نیز اندرون سینہ و شکم کو زمزم سے دھویا اور سونے کا طشت جسے ایمان اور حکمت سے بھر کر لائے تھے اس سے آپ کے دل کو پر کیا پھر براق سواری کیلئے پیش کیا جسے خت سے لایا گیا تھا وہ ایسا تیز رفتار تھا کہ جہاں تک نگاہ پہونچتی تھی ایک قدم اس کا ہوتا تھا جب آپ اس پر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو براق شوخی کرنے لگا حضرت جبرئیل نے کہا کہ اے براق تو کیوں شوخی کرتا ہے تجھ پر ایسا شخص سوار ہو رہا ہے جس کا رتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ہے براق شرما کر پسینہ پسینہ ہوگیا یہ روایت صحیح نہیں اسی طرح مذکور ہے پھر آپ اس پر سوار ہوئے حضرت جبرئیل ساتھ تھے اور مدینۃ المقدس تشریف لے گئے وہاں انبیاء کرام کی روحیں حاضر تھیں آپ نے بحکم الٰہی امام ہو کر دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد آپ آسمان کی طرف

تشریف لے گئے وہاں آدم علیہ السلام کو دیکھا حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ تمہارے باپ حضرت آدم ہیں آپ نے انہیں سلام کیا حضرت آدم نے سلام کا جواب دیا یہاں آپ نے دیکھا کہ کچھ گروہ گروہ صورتیں حضرت آدم کی داہنی طرف اور کچھ کالی کالی صورتیں حضرت آدم کی بائیں طرف ہیں جب حضرت آدمؑ داہنی طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو ناخوش ہوتے ہیں حضرت جبرئیلؑ نے بیان کیا کہ داہنی طرف ان کی نیک اولاد کی صورتیں ہیں جو جنتی ہیں اس لئے انہیں دیکھکر حضرت آدم خوش ہوتے ہیں اور بائیں طرف ان کی اولاد بد کی صورتیں ہیں جو دوزخی ہیں اس لئے انہیں دیکھکر ناخوش ہوتے ہیں پھر دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے وہاں آپ نے حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو دیکھا آپ نے سلام کیا ان دونوں نے سلام کا جواب دیا اس کے بعد آپ تیسرے آسمان پر تشریف لے گئے یہاں پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضرت جبرئیل نے کہا کہ یہ یوسف ہیں انہیں سلام کرو آپ نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر چوتھے آسمان پر تشریف لے گئے اور وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس کے بعد آپ پانچویں آسمان پر تشریف لے گئے وہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان سے بھی سلام و جواب بدستور سابق ہوا پھر چھٹے آسمان پر تشریف

لے گئے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر ساتویں آسمان کو تشریف لے گئے وہاں آسمان پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی جو بیت المعمور سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے آپ نے فرمایا کہ بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نئے داخل ہوتے ہیں جو پھر اس میں نہیں آتے آپ نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا۔ اس کے بعد سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تشریف لے گئے یہ بیری کا ایک عظیم الشان درخت ہے آپ نے فرمایا پتے ایسے ہیں جیسے ہاتھی کے کان اور پھل ایسے ہیں جیسے ہجر کے مٹکے ہجر ایک شہر کا نام ہے وہاں کے مٹکے بہت بڑے ہوتے ہیں اب آپ نے وہاں جانے کا ارادہ کیا حضرت جبرئیل وہاں ٹھہر گئے آپ نے سبب پوچھا کہ کیوں رک گئے جبرئیل نے کہا کہ مجھے یہاں سے آگے جانے کی طاقت نہیں ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہاں آپ نے براق کو چھوڑ دیا۔ ایک سبز رنگ کا رف رف آیا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی پر غالب تھی اس پر آپ کو بٹھایا گیا چنانچہ وہ رف رف ایک چلتا ہوا تخت کی طرح آپ کو سب آسمانی مکانات کی سیر کراتا ہوا عرش تک لے گیا۔

اللہ جل جلالہٗ سے آپ کو جیسا قرب حاصل ہوا۔ جو کبھی کسی نبی کو حاصل نہیں ہوا۔ اور نہ کبھی کوئی فرشتہ اس کے قریب پہونچا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام کیا اور اپنا دیدار مبارک دکھلایا جب آپ دیدار الٰہی سے

مشرف ہوئے تو آپ نے عرض کی التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات
یعنی ساری عبادتیں خواہ زبانی ہوں یا بدنی ہوں یا مالی ہوں اللہ کیلئے ہیں اس پر اللہ
جل جلالہ نے فرمایا السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اے پیغمبر تم پر
سلام ہو اور خدا کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں پھر آپ نے فرمایا السلام علینا وعلی
عباد اللہ الصالحین سلام ہم پر اور خدا کے نیک بندوں پر تب فرشتوں نے
کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہٗ ورسولہٗ ہم گواہی
دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد اللہ
کے بندے اور رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس رات میں ایسے علوم وفیوض عطا فرمائے زبان اس کے بیان کرنے
سے قاصر ہے خود اللہ تعالیٰ نے مبہم لکھا ہے فرمایا ہے فاوحی الی عبدہٖ ما اوحی
اور اللہ تعالیٰ نے پچاس وقت کی نمازیں آپ کی امت پر فرض کیں جب
آپ وہاں سے واپس ہوئے اور چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کے
پاس پہونچے تو انہوں نے پوچھا تمہاری امت پر کیا فرض ہوا آپ نے کہا
ہر روز پچاس وقت کی نمازیں حضرت موسیٰ نے کہا تمہاری امت سے
پچاس وقت کی نماز ہرگز نہ ہو سکے گی میں نبی اسرائیل کے حالات سے
خوب واقف ہوں تم اپنے رب کے پاس دوبارہ جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے

اپنی امت کیلئے کمی چاہو آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر عمل کیا
اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کردیں اور چالیس رکعتیں پھر جب حضرت موسیٰ کے پاس
واپس آئے تو انہوں نے پہلے ہی کی طرح کہا آپ پھر گئے اور دس کی پھر کمی
ہوئی اس طرح ہر بار کمی ہوتے ہوتے دس رہ گئیں پھر اس کے بعد موسیٰ کے مشورہ سے
گئے تو اللہ تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز رکھی تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے
کہا تمہاری امت سے پانچ وقت کی نماز بھی ادا نہ ہو سکے گی پھر جاؤ اور خدا
تعالیٰ سے تخفیف چاہو آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے حضور میں بار بار یہاں تک
عرض کیا اب مجھے عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے میں نے پانچ وقت کی نماز قبول
کرلی صحیح بخاری میں پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور حسب شرح سابق تخفیف
ہو کر پانچ رہنا مذکور ہے

شب معراج میں آپ کے سامنے تین پیالے پیش کئے گئے ایک دودھ کا
دوسرا شہد کا اور تیسرا شراب کا آپ نے دودھ کا پیالہ پی لیا حضرت
جبرئیل نے کہا آپ نے فطرت اسلام کو اختیار کیا۔ تاکہ آپکی امت میں ایمان
و اسلام قائم رہے

شب معراج میں آپ نے جنت اور دوزخ کی بھی سیر کی اور بہت سے
عجیب و غریب امور مشاہدہ کئے جب صبح ہوئی تو آپ نے
معراج کا حال بیان فرمایا۔ کافروں نے جھٹلایا اور تمسخر اڑانے لگے

کچھ لوگ دوڑے ہوئے ابوبکر صدیق کے پاس گئے اور کہا کہ کیا تم اب بھی محمدؐ کو سچا کہو گے وہ کہتے ہیں کہ رات میں بیت المقدس اور سب آسمانوں کی سیر کرآیا۔ ابوبکر صدیقؓ نے کہا اگر وہ یہ بات کہتے ہیں تو بے شک سچے ہیں اور وہ خود حضور میں حاضر ہو کر اور معراج کا حال سن کر پورے طور پر تصدیق کی اس سبب سے ان کا لقب صدیق ہوا

امجد
شب معراج ہنگامہ بپا ہے
صدا ہر ذرہ کی صل علیٰ ہے

امجد
چمکے گا لحد میں شب معراج کا چاند
شمع شب اسریٰ کا اجالا ہوگا

امجد
حیرت نہیں اگر ہے سایہ ذات ہوئی
ٹکڑے کیا چاند کیا کرامات ہوئی
دو رات تھا جلوہ خدا پیش نظر
معراج ہوئی تو کیا نئی بات ہوئی۔

معراج عروج سے مشتق ہے جس کے معنی چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں معراج کی رات سے مراد وہ رات ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاء اعلیٰ کے منازل کا ارتقا فرماتے ہوئے سبع سمٰوٰت اور

سدرۃ المنتہیٰ اور عرش سے بھی بلند ہو کر آیات اللہ کا مشاہدہ بحالت بیداری اور روح مع الجسد کیا تھا اس واقعہ عظیم کو معراج سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ واقعہ ۲۷ رجب کو ہجرت سے ایک سال قبل پیش آیا تھا مختلف احادیث میں اس واقعہ کی تفصیلات وارد ہوئی ہیں ذات احدیت کے جمال کا بے حجاب مشاہدہ کیا جنت جہنم کا معائنہ اور انبیاء سے ملاقاتیں فرمانے کے بعد جب آپ نے مراجعت فرمائی تو بستر مبارک گرم تھا اور دروازے کی کنڈی اسی طرح جنبش میں تھی جس طرح آپ چھوڑ کر گئے تھے۔

امجد کہتے ہیں کہ شب معراج میں ہنگامہ بپا ہے یقیں حضور کی آمد کا شور ہے۔ اور ہر ذرہ سے صل علیٰ کی آواز بلند ہو رہی ہے

دوسرے شعر میں امجد کہتے ہیں کہ جس کے لحد میں شب معراج کا چاند یعنی تیرہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوگی حضور کی تشریف آوری سے قبر کا اندھیرا دور ہو جائے گا اور نور کی شمع روشن ہوگی

تیسرے شعر میں امجد کہتے ہیں کہ حضور کی ذات بے سایہ تھی اور حضور جس نے اپنے انگلیوں کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کیا تھا اس رات خدا کا جلوہ حضور کے پیش نظر رہا اس لیے معراج ہوئی تو کیا نئی بات ہوئی۔

مدینہ

بلاد عالم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب شہر مدینہ منورہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے - اے اللہ جیسے تو نے میرے محبوب شہر مکہ مکرمہ سے ہجرت کا حکم دیا ہے اسی طرح اب مجھے اپنے محبوب شہر کو پہونچا اور سکونت کا سامان کر دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ پہونچایا اور آپ نے بحکم الٰہی یہیں سکونت اختیار کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا - تم میں جو مدینہ میں مرنے کا حوصلہ رکھتا ہے وہ اگر یہاں مرے تو میں اس کی شفاعت کروں گا (ترمذی) مدینہ منورہ خاصان خدا کا وطن ہے اور سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا دارالہجرہ ہے جیسا کہ نص قرآنی سے ظاہر ہے - جس طرح اے محبوب تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا (قرآن) مفسرین بیت سے مدینہ منورہ مراد لیتے ہیں گویا کعبہ معظمہ کو خالق کونین نے اپنا گھر اور مدینہ منورہ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر فرمایا ہے - (طبری) مدینہ منورہ حقوب فرشتوں کے اترنے کی

جگہ ہے مدینہ منورہ روح الامین کی جائے نزول ہے مدینہ
منورہ مہاجرین اور انصار کی جائے قیام اور دار الاخوت ہے
مدینہ منورہ خلفاء راشدین کا مرکز خلافت ہے مدینہ منورہ عمل
خیر کی بہترین جگہ ہے یہاں مرقد انور صلی اللہ علیہ وسلم ہے مدینہ
منورہ مسجد نبوی شریف سے معزز ہے یہاں گنبد خضرا ہے
ریاض الجنت ہے مسجد نبوی میں محراب و ممبر رسول اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم ہے مدینہ منورہ کے ایک ایک چپہ پر باران رحمت
و انوار کا ہجوم سلسلہ ہے یثرب مدینہ کا قدیم نام ہے مدینہ منورہ
کے مشہور قبائل اوس اور خزرج کے محلہ خاص شہر میں واقع تھے
جن میں ۱۲ اوس والوں اور ۳۲ بستیاں خزرج والوں کی تھیں
انصار مدینہ انہیں کے قبائل سے تعلق رکھتے تھے یہ دونوں قبائل ایک
دوسرے کے حریف اور دونوں کے درمیان ہمیشہ جنگ کی آرائیاں ہوتی
رہیں۔ ان کے درمیان مختلف جنگوں کی تفصیلات سے اوراق بھرے
پڑے ہیں انصار کے قبائل اوس اور خزرج چونکہ حضرت اسماعیل
علیہ السلام سے نسبی تعلق رکھتے تھے اس وجہ سے وہ دین حنفی

کے ماننے والے تھے لیکن بت پرستی کے شکار ہوئے تاہم بعض
لوگ آخر تک دین حنیف کے پیرو رہے ہجرت سے کچھ پہلے دن
میں اسلام پھیلنا شروع ہوا ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے
بعد انصار مدینہ پوری طرح اسلام میں داخل ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد مدینہ منورہ میں قبا
اور مسجد نبوی شریف کی تعمیرات کے مقدس و دلفعات ہوئے ہجرت
کے دوسرے سال تحویل قبلہ رمضان کی فرضیت غزوہ بدر سیدہ رقیہ
بنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ام المومنین بی بی عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عروسی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سیدہ فاطمہ بنت
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہجرت کے تیسرے سال حضرت
امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ام المومنین بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں ام المومنین بی بی زینب
بنت جحش رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مناکحت
ام المومنین بی بی زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے مناکحت
اسی سال ان کی وفات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بی بی

سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ سے نکاح حرمت شراب کے احکام
کا نزول غزوہ احد حضرت حمزہ عم رسول مقبول صلی اللہ علیہ کی جنگ
احد میں شہادت چوتھے سال بیر معونہ غزوہ بنو نضیر غزوہ
ذات الرقاع غزوہ خندق احکام تیمم کا نزول قصہ افک
ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت سے متعلق آیات
کا نزول پانچویں سال نماز خوف غزوہ دومۃ الجندل غزوہ بنو قریظہ
اور سعد بن معاذ سید الاوس کی ناگہانی ہجرت کے چھٹے سال بیعت رضوان
غزوہ بنی المصطلق مرض حیج سورہ حجرات احکام طہارت کا نزول
ہوا ساتویں سال غزوہ خیبر ام المومنین بی بی صفیہ ام المومنین بی بی
میمونہ ام المومنین بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مناکحت بی بی
ماریہ قبطیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسلام ہجرت کے
آٹھویں سال غزوہ موتہ فتح مکہ محاصرہ طائف غزوہ ذات
السلاسل حضرت ابراہیم بن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی
ولادت سیدہ زینب بنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی

وفات ہجرت کے نویں سال غزوہ تبوک حج حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ شاہ حبش نجاشی کا انتقال سیدہ ام کلثوم
بنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف عبداللہ بن ابی
کی موت دسویں سال حجۃ الوداع حضرت ابراہیم بن رسول مقبول صلی
اللہ علیہ وسلم کی وفات وفود کثیر کا بارگاہ رسالت میں حاضر ہونا
گیارھویں سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف سیدہ فاطمہ
بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حضرت بی بی ام ایمن کی وفات
بوقت ہجرت جہاں پہلی بار اونٹ بیٹھا تھا وہ جگہ دو انصاری یتیموں کی
تھی اسی جگہ پر مسجد نبوی شریف کی تعمیر کا ارادہ فرمایا گیا اور زمین کی قیمت
دیکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنیاد رکھی - ابتداء میں بیت المقدس
کی جانب قبلہ تھا مسجد نبوی کا طول ۱۰۰ اور عرض ۹۰ فٹ تھا فتح
خیبر کے بعد توسیع کے ذریعہ طول و عرض ۱۵۰ فٹ ہو گیا تحویل قبلہ کے بعد
بیت المقدس کی سمت قبلہ کی دیوار اہل صفہ کی حد مقرر ہوئی اور
اس جانب کا دروازہ بند کر دیا گیا مسجد کے ستون لکڑی کے اور چھت
کھجور کے پتوں سے بنائی گئی تھی مسجد کے ساتھ ہی امہات المومنین حضرت

سودا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے بنا لیے گئے اور دیگر
ازواج مطہرات کے مکانات مختلف اوقات میں بنتے رہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت جتنا حصہ مختص
کیا تھا اس کی تعمیری رقبہ ۱۰۵۰ مربع میٹر تھا فتح خیبر کے بعد پہلی توسیع ہوئی
اس وقت رقبہ ۲۴۷۵ مربع میٹر ہو گیا یہ توسیع ۷ھ میں ہوئی تھی
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں اپنے دور خلافت میں توسیع کی
حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کو مسجد میں داخل کیا جس سے طول
۲۱۰ فٹ اور عرض ۱۸۰ فٹ ہو گیا گویا ۱۱۰۰ مربع میٹر کا اضافہ
کر دیا گیا چوتھی توسیع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کی جو ۲۹ھ میں
ہوئی آپ نے ساری مسجد کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کی دیواریں اور
ستون پتھر سے بنوائے اور چھت ساگ کی لکڑی سے تیار کیا
مسجد کے تمام دروازے موقوف کر کے صرف چھ دروازے رکھے گئے
اس توسیع میں ۴۹۲۰ مربع میٹر کا اضافہ ہوا ولید بن عبدالملک کے عہد
میں ۸۸ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی نگرانی میں پانچویں توسیع
ہوئی اور دو سال کے عرصہ میں کام مکمل ہوا امہات المومنین کے

حجرے منہدم کر کے وسعت دی گئی اس تعمیر میں پتھر اور لوہے کا استعمال ہوا اور دیواروں کی نقش و نگار اور چھت پر طلاء کاری کی گئی اس توسیع میں 2369 مربع میٹر کا اضافہ کیا گیا اور روضہ اطہر کے حجرہ مبارک کو شامل مسجد کر لیا گیا عباسی خلیفہ مہدی کے عہد میں 121ھ تا 125ھ چار سال توسیع کا کام ہوا یہ عہد قدیم کی سب بڑی اور آخری توسیع تھی بعد کی مرمتیں اور تجدیدیں اسی حدود میں رہیں اس توسیع میں 2250 مربع میٹر کا اضافہ ہوا قبل ازیں 151ھ میں منصور نے اور بعد ازاں ہارون رشید نے 193ھ میں دو میناروں کا اضافہ کیا تھا 654ھ آتشزدگی کا حادثہ ہوا 700ھ میں معتصم باللہ نے ترمیم و تجدید کا کام شروع کیا تھا ملک ناصر محمد نے 805ھ میں از سر نو چھت کی تعمیر کی 851ھ میں امیر رونک نے مینار کو از سر نو بنوایا۔ 888ھ میں سلطان اشرف نے 120 مربع میٹر کا اضافہ کیا۔ 1233ھ میں سلطان محمد خان عثمانی نے گنبد مبارک کو سبز رنگ سے مزین کیا اس وقت سے حجرہ شریف کا یہ قبہ گنبد خضرا سے معروف ہے 1260ھ سے 1277ھ ہجری تک

بارہ سال کی مدت میں سلطان عبدالمجید نے تعمیر و توسیع کا کام کیا
اور ۱۲۹۳ مربع میٹر کا اضافہ کیا ۱۳۲۹ھ میں ملک عبدالعزیز نے
توسیع مسجد نبوی کا ارادہ کیا ۱۳۷۵ھ میں یہ کام پورا ہوا جس میں
۶۰۳۳ مربع میٹر کا اضافہ کیا گیا جس سے مجموعہ رقبہ ۱۶۴۲۶ مربع میٹر ہو گیا
۱۳۹۳ھ میں ملک فیصل نے چھت کا کام کروایا جس سے دوسری منزل کا
رقبہ ۹۴۰۰۰ مربع میٹر تک بڑھ گیا ۱۴۱۰ھ میں توسیع پر اجلاس کا
کام شروع ہوا اس میں اطراف و اکناف کے کھلے قطعات مکانات اور
راستوں کو شامل کر کے جدید عمارت کا اضافہ کر کے عالی شان پیمانے
پر توسیع کی گئی نئے محصولات کے باعث ۹۲۳۰ مربع میٹر کا اضافہ
ہوا جس سے نمازوں کیلئے بے حد گنجائش نکل آئی ہے۔ بالائی منزل
پر ۶۷۳۰ مربع میٹر کا اضافہ کیا گیا اب مسجد نبوی شریف کا مجموعہ رقبہ
۱۶۵۵۲۰ مربع میٹر ہے اور ۲۵۷۰۰۰ مصلیوں کیلئے گنجائش ہے حضرت
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے آج تک نماز عشاء کے بعد لوگوں کو
بٹھا کر مسجد نبوی شریف کو مقفل کر دینے کا رواج ہے خدام حرم
کا چیف ترہ باب جبرئیل سے داخل ہوتے ہیں داہنی جانب ملتا ہے

مسجد نبوی شریف میں چھ محراب ہیں منبر نبوی بنانے کی
عزت میمون نامی شخص کو حاصل ہوئی جس کے قبیلہ نے کعبہ کی تعمیر
کی تھی ۶۵۶ھ میں ملک مظفر نے جدید ممبر بنوایا ۷۹۷ھ میں
الازھر ۸۲۰ھ المعید الشیخ نے ۸۸۸ھ سلطان اشرف
نے سنگ مرمر کا منبر نذر کیا ۹۹۱ھ میں سلطان مراد خان نے
جو منبر بنوایا تھا وہ آج تک برقرار ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کے عہد سے صحن پر غلاف کا رواج جاری ہوا مسجد نبوی شریف
میں کثیر التعداد ستون ہیں مسجد نبوی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
نے سب سے پہلے قندیل روشن کی زمانے قدیم میں ۶۲۰ قندیلیں روشن
کی جاتی تھیں عہد بہ عہد ان کی صورت بدلتی رہی انہیں سونے اور جواہرات
سے مزین کیا جانے لگا حیدر آباد کے سر آسمان جاہ بہادر کی نذر کردہ
مرصع طلائی دو قندیلیں عرصہ دراز تک حجرہ شریف میں داخل کی جاتی رہیں
روشنی کے لئے سالانہ چار سو حصیر مصر اور قسطنطنیہ سے آتی تھیں آج
امور حرمین کی وزارت کی جانب سے اعلیٰ قسم قالین کا فرش ہوتا ہے
مسجد نبوی میں قیمتی فانوسوں کا رواج بھی قدیم سے چلا آرہا ہے حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں سب سے پہلے لوہا جلایا تھا

بیمارستان کی خدمت کیلئے خدام کا تقرر نورالدین شہید نے کیا تھا
ہر دور میں خلفاء امراء رؤسا تجار اور اہل ثروت نے مسجد
نبوی کیلئے تحائف و ہدایا نذر کرنا سعادت جانا صحن مسجد میں
باغ فاطمہ اور بیر فاطمہ وقع تھا قدیم زمانے میں مسجد نبوی میں کھنڈے
پانی کی صراحیوں کا رواج رہا آجکل وہ ٹھنڈے کولروں کا نعم البدل ہے
زمانہ سابق میں کرسی تک مسجد نبوی میں درس قرآن و حدیث کے حلقوں کا
سلسلہ رہا عرصہ دراز تک خطبہ اور نماز کیلئے معراجیہ شریف میں آکر
اجازت طلب کرنے کا باقاعدہ رواج تھا بقیع آثار حرم نبوی میں توسیع
نبوی توسیع سیدنا عمر بن خطاب محراب سلیمانی شامل ہیں مسجد نبوی شریف
کے علاوہ مدینہ منورہ میں مساجد کی کثرت ایک وقع ہے۔

دریائے محبت ہے سفینہ میرا
ہے حسن کی خاتم پہ نگینہ میرا
روشن ہے چراغ عشق سے کعبہ دل
معمور ہے نور سے مدینہ میرا

امجد

مجنوں

مجنوں کے معنی پاگل دیوانے یا ایسے شخص کے ہیں جس پر خباثت کا سایہ ہو گیا ہو۔
عربی فارسی۔ اردو۔ ترکی ادب میں یہ لقب قیس عامری کیلئے مخصوص ہو گیا ہے
جو اپنے ہی قبیلہ کی لڑکی لیلیٰ بنت سعد پر عاشق تھا عربی ادب میں اس کا عشق
شہرت دوام پا چکا تھا مجنوں قبیلہ عامری کے سردار کا بیٹا تھا اس کے باپ
کے نام کے بارے میں کافی اختلاف ہے کوئی عبید اللہ بتایا تو کوئی معاذ مختلف
روایتوں سے تصدیق ہوتی ہے کہ اس کا نام ملوح بن فراحم عامری تھا مجنوں کی وفات
کا سال ۶۸ھ بتایا جاتا ہے۔ لیکن مورخین نے اس پر شبہ ظاہر کیا ہے کہ
۶۸ھ میں مرنے والا یہی مجنوں ہے جو تاریخی حیثیت رکھتا ہے یا کوئی اور دوسرا
اس قسم کے شبہات کا اظہار ابن خلکان اور ابن خلدون نے کیا ہے ان لوگوں کا
کہنا ہے کہ مجنوں عرب کے ان تین شخصوں میں سے ایک ہے جن کا کوئی وجود نہ تھا
بلکہ محض افسانوی ادب کی تخلیق ہے سارا قصہ فرضی ہے اور بنی امیہ
کے کسی مصنف نے تصنیف کیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مجنوں حضرت
امام حسینؑ کا دودھ شریک بھائی تھا لیکن یہ روایت اس لئے غلط ہے
کہ وہ مجنوں اور قیس بن ذریح تھا کنانہ سے تعلق رکھتا تھا اور بنی کعب

کی ایک لڑکی لبنیٰ بنت حباب پر عاشق تھا بہر حال قیس عامری کا اگر کوئی وجود تھا تو اس کا قصہ بھی سیدھا سادا تھا بعد میں بعض مصنفین نے زیب داستان کیلئے ابر محبت کیا ہے

سچے میاں وہی بندہ ہے خدا کا امجد
امجد جو یاد میں اپنے رب کی مجنون رہے
ایمان کی پوچھو تو وہی مومن ہے
جس سے مومن ہمیشہ مامون رہے

امجد کہتے ہیں کہ خدا کا بندہ وہی ہے جو ہمیشہ خدا کی یاد میں مجنوں بنا رہے خدا کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو مجھے یاد کرتا ہے میں اسے یاد کرتا ہوں ہمارے بزرگان دین اولیاء اللہ کو جو مرتبہ ملا وہ خدا کی یاد کی بدولت تھا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہمیشہ کیا کرتے تھے وہ اللہ کی یاد میں ہمیشہ غرق رہا کرتے تھے۔ امجد کہتے ہیں کہ ایمان کی بات پوچھو تو حقیقت میں وہی مومن ہے جس سے دوسرے مسلمان مامون و محفوظ رہیں۔ اور حدیث میں بھی آیا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ اور مامون رہیں۔

نار سقر

دوزخ تحت الثریٰ کے سات طبقوں کا نام ہے جو عقاب الٰہی کا گھر ہے اور اس میں گناہ گاروں کو عذاب الحریق دیا جاتا ہے۔ انسانی گناہوں کے نتیجہ بد کا نام عذاب ہے۔ یہ عذاب آتش دوزخ اور اس کے شدید آلام کی صورت میں لازم ہوگا۔ دوزخ کے ساتوں طبقوں کے نام بھی مختلف ہیں۔ جو اس کے عذاب کی شدت کے مطابق رکھے گئے ہیں۔ نام یہ ہیں۔ ہاویہ۔ لظیٰ۔ سعیر۔ سقر۔ حطمہ۔ جحیم اور جہنم ——

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل تمہارے چہرہ کا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے عرض کیا آج جہنم کے حالت دیکھ کر آیا ہوں آپ نے فرمایا کچھ ہم سے بھی بیان کرو۔ عرض کیا اللہ نے جہنم کو پیدا کر کے ایک ہزار سال تک دھونکا وہ سرخ ہوگئی پھر ہزار سال تک دھونکا تو سفید ہوگئی پھر ہزار سال تک دھونکا تو سیاہ ہوگئی۔ چنانچہ اس وقت وہ بالکل سیاہ اندھیرا ہے اس کی لپٹیں اور انگارے کسی وقت خاموش نہیں ہوتے۔ اللہ کی قسم اگر سوئی کے ناکہ کے برابر جہنم کو کھولدیا جائے تو سارا عالم جل کر خاک ہوجائے

اگر کسی دوزخی کا کپڑا زمین و آسمان کے درمیان لٹکا دیا جائے تو اس کی بدبو اور سوزش سے سارا عالم موت کے گھاٹ اتر جائے قرآن مجید میں جن سلاسل کا تذکرہ ہے اگر ان میں سے ایک زنجیر کسی پہاڑ پر رکھ دی جائے تو وہ پگھل کر تحت الثریٰ تک پہونچ جائے اگر مشرق میں کسی شخص کو جہنم کا عذاب دیا جائے تو اس کی سوزش سے مغرب میں رہنے والے لوگ تڑپنے لگیں اس کی سوزش بہت سخت اس کی گہرائی بے انتہا اس کا زیور لوہا۔ اس کا پانی کھولتا ہوا پیپ ہے اس کے کپڑے آگ کے ہیں اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے سے جانے والے مرد عورت متعین ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کیا وہ ہمارے مکانوں جیسے دروازے ہیں۔ عرض کیا نہیں بلکہ وہ اوپر نیچے کھلے ہوئے ہیں دو دروازوں کے درمیان کی مسافت ستر سال ہے۔ ہر دروازہ دوسرے سے ستر گنا زیادہ گرم ہے۔ اللہ کے دشمن گناہ گار ان دروازوں کے جانب لے جائے جائیں گے۔ جب دروازہ تک پہونچیں گے تو وہاں ان کا استقبال طوق اور زنجیروں سے کیا جائے گا۔ منہ میں زنجیر داخل کر کے دبر سے نکال دی جائے گی اسی طرح ہاتھ پاؤں کو بھی باندھ دیا جائے گا ہر ایک کے ساتھ دو کا شیطان بھی ہوگا منہ کے

بل گھسیٹ کر لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہوئے فرشتہ ان کو جہنم میں دھکیل دیں گے وہاں سے جب بھی تکلیف کی وجہ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اسی میں واپس ڈھکیل دئے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ان دروازوں میں کون لوگ رہیں گے عرض کیا سب سے نیچے کا دروازہ (طبقہ) میں منافقین اور اصحاب مائدہ اور فرعون والے رہیں گے اس درجہ کا نام ہاویہ ہے دوسرے درجہ میں جس کا نام جحیم ہے۔ مشرکین۔ اور تیسرا درجہ سقر میں صابئین اور چوتھے درجہ میں ابلیس اور اس کے متبعین رہیں گے اس کا نام لظی ہے پانچویں دروازہ حطمہ ہے حطمہ میں یہود۔ اور چھٹے دروازے میں نصاریٰ رہیں گے اس کا نام سعیر ہے اس کے بعد جبرئیل خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا خاموش کیوں ہو گئے ساتویں دروازہ میں کون لوگ رہیں گے۔ جبرئیل نے تکلف کے ساتھ شرماتے ہوئے بتایا اس میں آپ کی امت کے وہ لوگ رہیں گے جنھوں نے گناہ کبیرہ کئے اور بغیر توبہ کئے مر گئے۔ فرشتہ ان کو جہنم کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے۔ لیکن ان کے چہرے سیاہ نہیں ہوں گے آنکھیں نیلی نہیں ہوں گی نہ منہ پر مہر لگی ہوگی۔ نہ ان کے ساتھ ان کا شیطان ہوگا انہیں طوق و زنجیر سے بھی نہیں جکڑا جائے گا۔ امجد کہتے ہیں۔

چھوٹا سا خنجر یہ دل آزاری ہے
زخم اس کا ہزار تیغ پر بھاری ہے
وہ نار سقر جس سے سب ڈرتے ہیں
یہ سرخ زباں اسی کی چنگاری ہے

امجد

—X—

پیاسوں پہ کریگا مہربانی پانی
آتش پہ کریگا حکمرانی پانی
کیا نار سقر جلا سکے گی واعظ
خود شرم سے ہو رہا ہوں پانی پانی

امجد

—X—

جنت دونوں کے پاؤں کے نیچے ہے
پھر نار سقر سے ہم کو ڈر کیا ہے

امجد

—X—

جب جل اٹھے غم سے تن کا ذرہ ذرہ
قل نار جہنم اشد حرا

امجد

مندرجہ بالا تمام اشعار میں نار سقر کی تلمیح استعمال ہوئی ہے۔ پہلی رباعی میں امجد کہتے ہیں چھوٹا سا خنجر یہ دل آزاری ہے یعنی زبان کو خنجر سے تشبیہ دی اور کہا کہ زبان کا زخم ہزار تلواروں پر بھی بھاری ہوتا ہے

وہ نارِ سقر جس سے سب ڈرتے ہیں یہ زبان بھی اسی کی چنگاری ہے۔
دوسری رباعی میں امجد کہتے ہیں کہ پانی پیاسوں پر مہربانی کرتا ہے اور آگ پیر
حکمرانی کرتا ہے جب میں خود شرم سے پانی پانی ہو رہا ہوں تو اے واعظ
نارِ سقر مجھ کو کیونکر جلائے گی۔ تیسرے شعر میں امجد کہتے ہیں کہ ماں کے قدموں
تلے جنت ہے پھر نارِ سقر سے ہم کو کیا ڈر ہے۔ چوتھے شعر میں امجد
کہتے ہیں کہ جب جل اٹھے غم سے تن کا ذرہ ذرہ اس کی تشفی کیسے ہو
دوسرے شعر میں قرآنی آیت بیان فرمائی کہ جہنم کی آگ بہت زیادہ
سخت ہے غم سے تن کا جلنا جہنم کی آگ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

نوح

حضرت نوح ؑ نے تمام پیغمبروں میں سب سے زیادہ عمر پائی تھی آپکی عمر طویل سے متعلق بہت سی روایتیں ہیں۔ بعض کا خیال ہے آپ نے سترہ سو برس کی عمر پائی اور بعض مورخ ان کی عمر پندرہ سو برس بتاتے ہیں۔ قرآن عزیز نے صراحت کے ساتھ بتا دیا کہ حضرت نوح نے نو سو پچاس برس اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیا۔ قرآن پاک نے کسی دوسرے نبی اور پیغمبر کی دعوت و تبلیغ کی مدت کا صراحت کے ساتھ اس طرح تذکرہ نہیں فرمایا۔ جیسا کہ حضرت نوح ؑ کا واقعہ مذکور ہے۔

حضرت نوح ؑ کی قوم انتہائی سرکش اور نافرمان تھی انہوں نے مسلسل ۹۵۰ برس تک مسلسل تبلیغ کا فرض انجام دیا۔ لیکن اس طویل مدت میں ایمان لانے والوں کی تعداد ۸۰ سے آگے نہ بڑھ سکی جب وہ اپنی قوم سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے بد دعا کی خدا تعالیٰ نے ان کی بد دعا قبول کرتے ہوئے اس طوفان عظیم کی اطلاع دی جو ان کی قوم پر نازل ہونے والا تھا۔ ہدایت الٰہی پر حضرت نوح ؑ نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے ایک کشتی تیار کی پھر انہوں نے تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی پر رکھا۔ اور وہ خود بھی اپنی امت کے ۸۰

آدمیوں کے ساتھ کشتی پر سوار ہو گئے۔ اس وقت طوفان کی شروعات ہو گئی پہلے تو آسمان سے موسلا دھار بارش ہوئی اور پھر زمین سے پانی ابل پڑا رفتہ رفتہ اس پانی میں کشتی نوح تیرنے لگی۔ پانی برابر بڑھتا ہی جاتا تھا آخر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ تمام اونچے اونچے درخت اور ٹیلے وغیرہ اس میں ڈوب گئے اور تمام منکرین معاندین بھی غرق آب ہو گئے۔ ان غرق ہونے والوں میں حضرت نوح ؑ کا نافرمان بیٹا کنعان بھی شامل تھا۔

اس کشتی تن کو نوح کر دے مولیٰ
اس مادیت کو روح کر دے مولیٰ

امجد

امجد کہتے ہیں کہ اس تن کی کشتی کو نوح کر دے۔ جس طرح حضرت نوح ؑ باوجود قوم کے اذیت پہونچانے اور ان کی بات نہ ماننے کے باوجود ساڑھے نو سو برس تک دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے اس میں ذرہ برابر بھی فرق آنے نہ دیا اسی طرح ہمارے تن کی کشتی کو نوح کر دے تاکہ یہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں آگے آگے رہے اور جو مادیت کا زنگ ہماری روح کو لگ گیا ہے اس زنگ کو دھو دے اور ویسا پاک و صاف کر دے کہ یہ مادیت نہیں بلکہ روحانی طاقت بن جائے۔

لحن داؤدی

لحن داؤدی کی تلمیح حضرت داؤدؑ کے معجزہ خوش الحانی کی طرف اشارہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتہائی سریلی اور مست کر دینے والی آواز عطا فرمائی تھی۔ جب آپ زبور کی تلاوت کرتے اور صبح و شام خدا کی حمد و ثنا کے گیت گاتے تو چرند و پرند تک آپ کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور بلند آواز سے آپکی ہمنوائی کرتے۔ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد کے نغموں کو سن کر پہاڑ بھی خدا کی حمد و ثنا میں گونج اٹھتے۔ دریا کا بہتا ہوا پانی ساکن ہو جاتا تھا ہوا رک جاتی تھی۔ اور جس پتھر پر بیٹھ کر آپ نغمہ سرائی فرماتے وہ موم ہو جاتا تھا قرآن عزیز نے حضرت داؤد کی اس فضیلت کا جگہ جگہ صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

نغمہ ہے شوق لحن داؤد نہیں
امجد اس طرز میں حمد کی کہ محمود نہیں
لازم ہے کہ آہ بھی لبوں سے نکلے
اک واہ ہی شاعری کا مقصود نہیں۔

ہما

ہما ایک مشہور پرندہ ہے جس کا سایہ فال نیک سمجھا جاتا ہے مشہور ہے کہ جس شخص پر بھی ہما کا سایہ پڑ جائے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ ہما ایک معلوم الاسم اور مجہول الجسم پرندے کا نام ہے۔ جو عظیم الجثہ اور ڈاڑھی والا ہوتا ہے۔ جس کی غذا ہڈی بتائی جاتی ہے۔ قدیم زمانے میں اس خیالی پرندے کی پرستش ہوتی تھی۔ حضرت شیخ سعدی نے اس کو تمام پرندوں سے افضل بتایا ہے۔ کیونکہ وہ زندہ چیزوں کی جگہ صرف ہڈی کا شکاری ہے اس پرندے کو مبارک و مسعود سمجھ کر شاہان ایران اپنے جھنڈے پر اس کی تصویر بناتے تھے۔ بعض لوگ اس پرندے کو عنقا قرار دیتے ہیں۔

جب تک بس چل سکے کھا لو کھلا لو
امجد — سائل کو کبھی نہ اپنے در سے ٹالو
ممکن ہے کسی روز ہما بھی پھنس جائے
ہر ایک طائر کو تم دانہ ڈالو

امجد کہتے ہیں کہ جب تک زندگانی باقی ہے۔ اور یہ سانس چل رہی ہے اسے غنیمت جانا کر خود بھی کھاؤ اور اوروں کا بھی خیال کرو۔ امجد کہتے ہیں کہ

سائل کو کبھی اپنے در سے نہ ٹالو۔ بقدر استطاعت سائل کی ضرور مدد کیا کرو۔ پتہ نہیں کہ سائل کہ بھیس میں کب کوئی آجائے اور ہمیں اس کی خبر تک نہ ہو۔ اسی لئے امجد نے کہا کہ ممکن ہے کسی روز ہما بھی پھنس جائے۔ یعنی کوئی اللہ والا مل جائے اور ہماری مگرلی بن جائے۔ اس لئے جتنا ممکن ہو سائل کو نہ جھڑکو اور نہ اس کو خالی ہاتھ لوٹاؤ۔ اس لئے امجد نے کہا کہ ہر ایک طائر کو دانہ ڈالو۔

ہجرت

جب خدا کے فضل سے چمکارے توحید کے جگہ جگہ سے چمکتے ہوئے نظر آئے
اور لا الہ الا اللہ کے کعبہ کے آس پاس سے جانے لگے مکہ کے بچوں اور
غلاموں میں اسلام کا اثر توقع سے زیادہ پیدا ہونے لگا۔ مکہ کے کافر نہایت
بے چین ہو کر تڑپنے لگے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلاکت کی بے حد کوشش
کرنے لگے لیکن جب خدا کے اسے کون چکے کفار کے سارے منصوبے بے کار
اور غلط ہوئے۔ کوئی تدبیر ایسی نہ پڑی جس کے سبب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی دعوت و تبلیغ کو روکتے۔ ناچار یہ طے ہوا کہ کفار نے پراشیدہ طور پر ایک مکان
میں جمع ہو کر مکان کا دروازہ بند کیا لیکن یہ یقینی بات ہے کہ جس کا راضی رحمان
اور میری بات کا ساتھی شیطان ہوتا ہے ابلیس لعین نے اس موقعہ کو غنیمت
جانا فوراً ایک بزرگ شخص کی صورت بنا کر آیا اور دروازہ پر آواز دی
لوگوں نے دروازہ کھولا ابوجہل نے پوچھا تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے
ہو شیطان لعین نے کہا میں ایک ضعیف بوڑھا ہوں نا نہایت ہی تجربہ کار ہوں
شہر نجد سے آیا ہوں اور تمہارے اس مبارک مشورہ میں شریک ہو کر سعادت
حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اسی وجہ سے محاورے میں ہر مکار دھوکہ باز کو شیخ نجدی
کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے جب مجلس آراستہ ہوئی تو کفار نے قسمیں

کھائیں کہ آج کوئی شخص رائے دینے میں کمی نہ کرے تب ہر شخص اپنی رائے
پیش کرنے لگا ایک کافر ابوالبختری نامی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو ایک تنگ تاریک مکان میں بند کیا جائے صرف ایک چھوٹا سا روشن دان باقی
جائے اسی روشن دان سے کچھ تھوڑے کھانا دیا جائے چند روز بعد یہ
آپ مر جائیں گے شیطان نجدی اس رائے پر سخت معترض ہو کر کہا
تیری رائے نہایت ہی ناقص ہے دے لوگو تمہیں معلوم نہیں محمد یہ وہ شخص ہے
اگر اسے سات قفلوں میں بند کر کے رکھو گے تو بھی اس کی خوشبو باہر نکل آئیگی اور
پھر دن کے ماننے والے اس کو پا کر مکان توڑ ڈالیں گے اور اپنے امام کو نکال کر
لے جائیں گے عمر بن ہشام نامی کافر نے کہا اگر وہ رائے ناپسند ہے تو کیا کیا جائے
ایک نے کہا کہ ان کو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اونٹ کی کمر پر رسیوں سے
باندھ کر اس اونٹ کو ملک حجاز سے باہر نکال دیا جائے اس صورت میں مکہ کے
لوگ نہایت آرام سے ہو جائیں گے۔ اور نہایت ہی سہولت سے پیچھا چھوٹ
جائے گا شیطان لعین نے سن کر کہا یہ رائے پہلی رائے سے بھی زیادہ خراب ہے
کیونکہ تم نہیں جانتے کہ محمد بن عبداللہ کا شیریں کلام عالی اخلاق ایسا دلوں کو مسخر کرنے
والا ہے کہ چند روز میں ہزاروں مرید آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اور ایک دن مکہ پر چڑھائی
کر کے بچہ بچہ تمہارا قتل کیا جائے گا اے لوگو یہ رائے بھی غلط ہے یہ سن کر ابوجہل
نے کہا میری ایک رائے ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت مکہ میں پندرہ بیس خاندان

ہیں جو محمد بن عبداللہ سے سخت نالاں ہیں۔ صرف ایک ہی بنی ہاشم کا خاندان
ان کا طرفدار ہے ہر ایک گھرانے سے ایک ایک جوان ہتھیاروں سے مسلح لیا جائے
اور وہ سب کے سب رات کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں گھس کر سب کے سب دفعتہً
وار کریں اور آپ کو شہید کر کے اپنے گھر چلے جائیں۔ صبح کو بنی ہاشم کو خبر ہوگی
تب ایک گھر اسی قدر گھرانوں سے کہاں تک لڑے گا آخر لاچار ہو کر خون بہا لے کر
فیصلہ ہو جائے گا۔ ابوجہل کی رائے کو شیخ نجدی اور ساری مجلس نے پسند کیا اور
یہی بات مقرر ہو کر مجلس برخواست ہوئی۔ ادھر جبرئیل امین تشریف لائے
اور ساری کیفیت بیان فرمائی کہ قریش مشورہ کرتے ہیں کہ حضرت کو کسی مکان میں
بند کریں یا قتل کریں یہ خبر سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے
مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے عرض کیا کہ آج کی رات آپ اپنے بستر پر
نہ سوئیں بلکہ یہاں سے ہجرت کریں اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضؓ ہجرت
کریں۔ یہ سن کر آپ خوش ہوئے اور حضرت ابوبکر سے ان کے مکان پر جا کر سارا
حال بیان کیا جناب صدیق اکبر رضؓ ایک عرصہ سے اپنی اور حضور کی ہجرت کا سامان
تیار کر چکے تھے۔ جس دن نابکاران مکہ نے آپ کو شہید کرنے کا عزم کیا اسی
وقت روح الامین تشریف لائے اور سارے مشوروں کا خلاصہ بیان کیا اور
فرمایا کہ آج رات حضور پر حملہ ہوگا آج آپ رات کے وقت یہاں سے ہجرت
کریں اور اپنے بچھونے پر اپنی جگہ حضرت علی کو سلائیں اور ابوبکر کو اپنے

ساتھ لیجائیں یہ حکم سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عین دوپہر کے وقت ابوبکر
مکان تشریف لے گئے اور کہا کہ ایک راز کی بات ہے اگر تمہارے گھر میں غیر شخص ہو تو
اس کو ہٹا دو عرض کیا کہ اس وقت میرے گھر میں میری اہلیہ ہے یا حضور کی اہلیہ تیسرے
آپکی سالی ہیں اور کوئی غیر نہیں۔ یہ سن کر جناب نے ارشاد کیا ابھی میرے پاس جبرئیل
امین آکر مجھے ہجرت کا حکم دے گئے ہیں اور فرمایا ابوبکر تمہیں ساتھ لیجانے کا حکم
عرش الٰہی سے آیا ہے حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ حضرت میں نے چھ مہینہ پہلے ہی
سارا سامان سفر تیار کر لیا ہے جس وقت فرمائیں گے حاضر کروں گا حضور نے
فرمایا کہ مجھے ابھی حکم ثانی کا انتظار ہے حکم آتے ہی نکل چلیں گے حضرت ابوبکر کے
مکان سے نکل کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ اے
علی آج رات کو مکہ سے ہم ہجرت کریں گے تم ہماری جگہ ہمارے بستر پر
لیٹ جانا کہ کفار تم کو میری جگہ لیٹا ہوا دیکھ کر یہ سمجھیں گے کہ محمد ابھی لیٹے ہیں جب
تک میں گھر سے دور نہ چلا جاؤں تم میری چادر اوڑھے لیٹے رہنا اے علی جس وقت
تک تم میری چادر اوڑھے رہو گے کوئی تکلیف تمہیں نہ پہونچے گی حضرت علی نے آپکی جگہ پر
سونا نہایت ہی خوشی سے منظور کر لیا۔ یہ وہ وقت تھا جب راتوں کی
ہوئی اور خوب اندھیرا ہوا کافر تلواریں لے کر حضور کے مکان کے چاروں طرف جمع
ہو گئے اور ہر طرف حضور کے مکان کو گھیر لیا اور انتظار یہ تھا کہ جب آپ
سو جائیں اس وقت گھس کر آپکو شہید کریں اسی انتظار میں کافر کھڑے تھے

میں باتیں کر رہے تھے - آدھی رات کے وقت حکم ہوا کہ حضرت اٹھیے اب سونے کا وقت نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاروں طرف کافر جمع ہیں میں کس طرح جا سکتا ہوں عرض کیا کہ قرآن کی ان آیتوں پر دم کر کے تھوڑی مٹی کافروں کی طرف پھینک دیجے حضور نے تھوڑی سے خاک پر آیت مبارکہ کو دم کر کے کافروں کی طرف پھینک دی اس کی وجہ سے سب کو نیند آئی خدا نے سب کو اندھا کر دیا اور اپنے رسول کو سب کے سامنے سے سلامت نکال لے گیا - حضور اکرم سب کے سامنے گھر سے نکلے حضرت علی آپکی چادر مبارک اوڑھ کر آپ کی جگہ لیٹ گئے ادھر آنحضرت گھر سے نکل کر ابوبکر کے مکان پہنچے کر آپ کو ساتھ لے کر غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے - ادھر سے ایک کافر بھاگا ہوا آیا اور کہا کہ تم لوگ کس کے انتظار میں کھڑے ہو محمد بن عبداللہ ابوبکر کے مکان سے ہوتے ہوئے جنگل کی جانب گئے اور تمہارے منہ پر خاک ڈال گئے یہ بات سن کر ابوجہل نے کہا کہ یہ بات جھوٹی ہے دیکھو محمد تو چادر اوڑھے سوئے ہوئے ہیں سب کے سب کفار تلواریں لے کر ایکدم حضور کے مکان میں بلا اجازت کود پڑے ان کی آہٹ سے حضرت علی نے فرمایا لوگو یہ مداخلت بے جا کیسی ہے تم کس طرح بلا اجازت مکان میں چلے آئے ابوجہل نے کہا کہ محمد کہاں ہیں علی نے کہا کہ میں ان کا محافظ اور نگہبان نہیں ہوں ان کا نگہبان اللہ ہے اس نے آپ کو جہاں چاہا لے گیا حضرت علی نے کہا کہ فوراً یہاں سے نکل جاؤ

ورنہ تلوار ہوگی اور تمہاری گردنیں ایک بھی زندہ نہ جائے گا مکہ والوں کو حضرت علی سے کوئی تعلق نہ تھا جب آنحضرت کو وہاں نہ پایا تب گھبرائے ہوئے وہاں سے نکل کر چاروں طرف تلاش کیا مگر کہیں نہ پایا۔

رات مشکل سے کاٹی علی الصبح بڑے بڑے دانا اور کچھ جی لوگوں کو جمع کیا اور آپ کی تلاش میں جنگل کی طرف نکلے

مدینہ کو جاتا ہے ماہ رسالت
ملا رب کعبہ سے فرمان ہجرت
اٹھائے ہے صدیق یار نبوت
صدر قدس کے آغوش میں ہے محبت

امجد

امجد کہتے ہیں کہ بحکم خداوندی مدینہ کو جاتا ہے ماہ رسالت اور ہجرت کی اجازت بھی رب کعبہ سے ملی اٹھائے ہے صدیق یار نبوت۔ امجد کا اشارہ اس طرف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو لے کر پیادہ پاؤں، آپ نے جوتا پاؤں سے نکال ڈالا تھا اور دونگیوں کے بل چلتے تھے تاکہ نشان قدم معلوم نہ ہوں آخر کار آپ کے پاؤں زخمی ہو گئے تب ابوبکر صدیق رضؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر سوار کر لیا۔ اور غار ثور تک

پہونچا دیا ثور مکہ کے متصل ایک پہاڑی ہے جب غار کے پاس پہونچے
تو حضرت ابوبکر صدیق نے آپ سے کہا کہ آپ باہر ٹھہریں میں جا کر غار کو
صاف کر ڈالوں کیونکہ پہاڑوں کے غار اکثر حشرات الارض سے خالی نہیں ہوتے
پھر ابوبکر صدیق غار میں گھسے اور اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر سب سوراخ بند کئے
ایک سوراخ باقی رہا اس میں ابوبکر صدیق نے اپنے پاؤں کی ایڑی لگا دی
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غار میں بلا یا آپ اندر تشریف لے گئے
اور ابوبکر صدیق کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو رہے ہیں سانپ
نے حضرت ابوبکر صدیق کے پاؤں کو کاٹا۔ مگر انہوں نے اس خیال سے
جنبش نہ کی کہ آپ کی نیند میں خلل پڑے گا لیکن شدت تکلیف سے
حضرت صدیق کے آنکھوں سے آنسوؤں نکل پڑے اور رخسار مبارک پر گرے
آپ جاگ اٹھے ابوبکر صدیق نے عرض کیا جسے سانپ نے کاٹا ہے
آپ نے اسی جگہ جہاں سانپ نے کاٹا تھا لعاب دہن مبارک لگا
دیا۔ حضرت صدیق فوراً اچھے ہو گئے آپ کے غار میں داخل ہونے کے
بعد مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا اور ایک کبوتر نے جوڑے
نے آکر انڈے دیے۔ صبح کو کفار تلاش کرتے ہوئے غار کے

منہ تک جا پہونچے اور اس طرح کھڑے ہو گئے کہ حضرت صدیق کو ان کے
پاؤں نظر آنے لگے انہوں نے عرض کیا کہ اگر وہ لوگ اپنے پاؤں کی طرف
دیکھیں گے تو ہمیں دیکھ لیں گے آپ نے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا یعنی
رنج مت کرو بے شک اللہ ہمارے اور تمہارے دونوں کے ساتھ ہے۔
کفار نے جب مکڑی کے جالے اور کبوتروں کے جوڑے کو دیکھا تو کہا کہ
اگر کوئی آدمی اس غار میں گھسا ہوتا تو یہ مکڑی کا جالا ٹوٹ گیا ہوتا اور کبوتر
اس غار میں نہ ٹھہرتا کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ جالا تو ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی پیدائش سے پہلے دیکھا تھا ویسا ہی موجود ہے یہ کہہ کر کفار لوٹ گئے
اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی حفاظت میں تار عنکبوت اور وحشی جانور سے
وہ کام لیا جو سپاہیوں کی آہنی زرہوں اور جنگی جوانوں سے نہ نکلتا۔
اسی لئے امجد کہتے ہیں کہ ؎ صداقت کے آغوش میں ہے محبت۔

یا مزمل

اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔

ابتدائے نبوت میں قریش نے دار الندوہ میں جمع ہو کر آپ کے بارے میں مشورہ کیا آپکے حالات کی مناسب کوئی لقب تجویز کرنا چاہئے کہ اس پر سب متفق رہیں کسی نے کہا کہ کاہن ہیں اس کو دوسروں نے رد کر دیا کسی نے مجنوں کہا پھر اس کو بھی سب نے غلط قرار دیا پھر ساحر کہا پھر بعض نے اس کو بھی رد کر دیا۔ لیکن پھر یہی کہنے لگے کہ ساحر اس لئے ہیں کہ دوست کو دوست سے جدا کر دیتے ہیں آپ کو یہ خبر پہونچی تو رنج ہوا اور رنج کی حالت میں لیٹ گئے اکثر سوچ اور رنج میں آدمی اسی طرح کر لیتا ہے اس لئے آپ کو خوش کرنے اور لطف کا اظہار کرنے کے لئے اس عنوان سے خطاب فرمایا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت علی کو ابو تراب فرمایا تھا غرض آپ کو خطاب ہے کہ ان باتوں کا رنج نہ کرو بلکہ حق تعالیٰ کی طرف مداومت کے ساتھ زیادہ توجہ رکھو۔

مزمل کے لغوی معنی اپنے اوپر کپڑے لپیٹنے والا۔ سورہ مزمل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک وقتی حالت اور مخصوص صفت کے ساتھ خطاب کیا گیا

کیونکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدت خوف و فزع کے سبب
سخت سردی محسوس کر رہے تھے اس لئے اپنے اوپر کپڑے ڈالنے کے لئے فرمایا۔
کپڑے ڈال دئے گئے تو آپ ان میں لپٹ گئے۔

میں اور تجھ کو جگاؤں تو یہ
لونڈی کا بھی یہ بل بوتا ہوتا

امجد

دیکھ لے مزمل کا سورہ
ہے کوئی اور بھی کہنے والا۔

یا مزمل قم قم قم قم

—X—

وصل کا بس یہی ہے اک حیلہ
وتبتل الیہ تبتیلا

امجد کہتے ہیں کہ تبتل الیہ تبتیلا - یعنی آپ تمام مخلوقات سے قطع نظر کر کے
صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی عبادت میں لگ جائیں۔ اس کے عام مفہوم
میں اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک نہ کرنا بلکہ خالص اللہ کے لئے عبادت
کرنا بھی داخل ہے اور یہ بھی کہ اپنے تمام اعمال و افعال اور حرکات و سکنات
میں نظر اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رہے۔

یا ابت افعل ما تومر

جب حضرت ابراہیمؑ ملک شام سے مکہ معظمہ حضرت اسماعیل سے ملنے تشریف لائے تو ذوالحجہ کی ساتویں تاریخ آٹھویں شب کو آپ مکہ میں تھے رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص غیب سے آواز دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اے ابراہیمؑ تمہیں خدا کا حکم ہے کہ تم اپنے فرزند کو خدا کے لئے ذبح کرو حضرت ابراہیمؑ خواب کے معنیٰ اچھی طرح نہ سمجھے صبح کو اٹھ کر آپ نے بہت سے اونٹ قربان کئے نویں شب کو دوبارہ پھر خواب دیکھا ارشاد ہوتا ہے کہ اے ابراہیم اپنے فرزند کو ہمارے لئے ذبح کرو پھر تیسری رات دسویں شب کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ گویا حضرت اسماعیل میرے پاس کھڑے ہیں میں نے ان کے ہاتھ پیر باندھ کر زمین پر لٹا کر ذبح کر دیا یہ صورت خدا نے حضرت ابراہیم کو دکھا کر فرمایا کہ اے ابراہیم اسی طرح اسماعیل کو ہمارے لئے ذبح کر دے یہ مفصل خواب دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ کی آنکھ کھل گئی اور آپ کو یقین ہوا کہ ضرور مجھے یہ حکم خدا کی طرف سے ہوا ہے اور یہ خواب بھی خدا ہی نے دکھایا ہے دسویں تاریخ کی صبح کو آپکا مصمم ارادہ ہوا کہ اسماعیل کو ذبح کر دیا جائے مگر ابھی حضرت اسماعیل صغیر سن تھے کل سات سال کی آپکی عمر تھی اس لئے اس کا راز صاف

طور سے حضرت اسماعیل سے کہنا پسند نہیں کیا مگر علی الصبح حضرت اسماعیل
کو پکار کر فرمایا کہ اے اسماعیل ایک رسی اور ایک چھری لے کر ہمارے ساتھ چلو
ادھر بیوی ہاجرہ سے کہا کہ آج ہم اسماعیل کو بڑے شخص کے یہاں مہمان لے جائیں
گے تم اسے نہلا دھلا کر عمدہ کپڑے بدلو۔ اور اس کے بدن میں خوشبو لگاؤ حضرت
اسماعیل کی والدہ نے حضرت ابراہیم کے حکم کے مطابق حضرت اسماعیل کو خوب آراستہ
کیا ادھر حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کو راہ خدا میں ذبح کرنے کے لئے نہایت
خوشی کے ساتھ لے کر چلے جب گھر سے باہر نکل کر جنگل میں پہونچے۔ حضرت
اسماعیل نے پوچھا کہ آپ چھری اور رسی کس لئے ساتھ لے کر چلتے ہیں حضرت
ابراہیم نے فرمایا کہ آگے چل کر ہم ایک قربانی ذبح کریں گے۔ انہوں نے اپنے
بیٹے سے کہا کہ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے تمہاری کیا رائے ہے بیٹے نے جواب
دیا یا ابت افعل ما تؤمر۔ ابا جان آپکو جو حکم ملا ہے اس پر عمل کیجئے آپ
انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم اپنے
بیٹے حضرت اسماعیل کو مکہ مکرمہ سے لے کر چلے اور منیٰ میں جا کر ذبح کرنے
کی نسبت سے ایک چھری ساتھ لی منیٰ مکہ معظمہ سے تین میل دور پہاڑوں
کے درمیان میں ایک بہت لمبا میدان ہے جب منیٰ میں داخل ہونے لگے تو

ان کے بیٹے کو شیطان بہکانے لگا حضرت ابراہیمؑ کو پتہ چلا تو شیطان کو اللہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں ماریں جس کی وجہ سے وہ زمین میں دھنس گیا دونوں باپ بیٹے آگے بڑھے تو زمین نے شیطان کو چھوڑ دیا۔ پھر دور جا کر شیطان پھر بہکانے لگا حضرت ابراہیمؑ نے پھر اسے اللہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں ماریں وہ پھر زمین میں دھنس گیا یہ دونوں آگے بڑھے تو پھر زمین نے اس کو چھوڑ دیا وہ پھر آکر ورغلانے لگا حضرت ابراہیمؑ نے پھر اسے اللہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں ماریں پھر وہ زمین میں دھنس گیا۔ اور اس کے بعد آگے بڑھ کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا ابھی ذبح کرنے نہ پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ندا آئی۔ اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا پھر اللہ پاک نے ایک مینڈھا بھیجا جسے اپنے بیٹے کی جانب سے حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کر دیا۔

ذبح تو کیا مینڈھا اور ثواب مل گیا بیٹے کی قربانی کا کیونکہ دونوں باپ بیٹے اپنے دل و جان سے اس کام کے انجام دینے کو طے کر چکے تھے جس کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ہوا تھا باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور بیٹا ذبح ہونے کے لئے بخوشی لیٹ گیا۔ دونوں نے اپنی جانب سے کوئی کسر نہیں

چھوٹی اللہ جل شانہٗ کے یہاں سنت دیکھی جاتی ہے اپنی سنت میں یہ دونوں سچے تھے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فلما اسلما وتلہ للجبین

جب کہ خلیل نے خواب اپنا
بیٹے سے اپنے بیان کیا
بولا ان کا لخت جگر
یا ابت افعل ما تومر

حضرت ابراہیمؑ کی کتاب سیرت کا سب سے عظیم جوہر یادگار اور ناقابل فراموش واقعہ راہ مولیٰ میں تمام مال و اسباب حیات ہی نہیں بلکہ عزیز از جان فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو واقعی قربان کر دینے اور ان کے نرم و نازک حلقوم پر چھری پھیر دینے کا ہے قرآن حکیم نے اس پورے واقعہ کو بہت ہی دلچسپ انگیز طریقہ سے بیان فرمایا ہے۔ انسانی تاریخ میں یہ ربانی نوعیت کا واحد نادر اور انوکھا واقعہ ہے۔ جس میں ایک بندے نے کمال عبدیت اور عشق مولیٰ میں سرشاری اور تسلیم ارشاد حق سبحانہٗ کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اپنے پیارے بیٹے کو لٹا کر اس کے گلے پر چھری چلا دی اس طرح رہتی دنیا تک ایک مثال قائم کر دی۔ ادھر مالک کونین نے اپنے بندے خاص کے اس جذبہ عشق کے عملی مظاہرے کو شرف قبولیت بخشا۔

229.A

باب چہارم: مجموعی جائزہ

مجموعی جائزہ

تلمیح کی اہمیت مسلّم ہے تلمیح کے الفاظ سے ہی اس سے وابستہ پورے واقعہ کی تصویر ہمارے سامنے خود بخود آجاتی ہے اس واقعہ کو بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ حکیم الشعرا سرمدثانی حضرت امجد حیدرآبادی کو امام رباعی مانا جاتا ہے ان کی رباعیوں میں تلمیحات کا استعمال ملتا ہے۔ امجد ایک صوفی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ان کے والد امام مسجد تھے امجد ایک دردمند دل رکھتے تھے اور وہ ایک صوفی منش تھے۔

امجد کے بھائی بہن بچپن میں فوت ہوگئے ان کے والد امجد کی پیدائش کے دو مہینے کے اندر فوت ہوگئے ان کی صرف ایک بڑی بہن تھی جو پیدائش کے چند دنوں بعد ہی اپنی ماں کو داغ مفارقت دے گئیں۔ ان کی والدہ نے ان کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا اور لاڈ و پیار سے پالا اور یہ سب کچھ وہ اپنے شوہر کی چھوڑی ہوئی جائیداد بیچ بیچ کر گذارا کیا۔

رود موسیٰ کی طغیانی جسے قیامت صغریٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس میں ان کی بیوی بچی اور ماں کے علاوہ ان کا مکان اور سارا اثاثہ طغیانی

کی نذر ہو گیا۔ دوسری شادی کے ایک سال بعد ان کے خسر رحلت کر گئے
اس کے بعد ساس، چار سالیوں اور سالے کا بار بھی امجد پر پڑا جبکہ
ان کی تنخواہ صرف بیس روپیہ ماہوار تھی۔ ان کی بیوی جمال النساء جس کا
انہوں نے سلمیٰ نام رکھا تھا بڑی خوبیوں کی مالک تھیں ان کی ازدواجی زندگی
مثالی تھی۔ ریاضیات امجد میں سلمیٰ کی فکر کا غلبہ تھا ان کے ہاں ایک لڑکا تولد
ہوا جو چند ہی دنوں میں فوت ہو گیا۔ اس صدمہ سے جمال النساء (امجد کی دوسری
بیوی بھی) انتقال کر گئیں دوستوں نے اصرار کر کے تیسری شادی کرا دی لیکن
امجد کی نفاست پسند طبیعت اس بیوی کے ساتھ زندگی گذارنے پر آمادہ نہ
ہوئی اور انہوں نے روز اول ہی طلاق دے دی امجد نے چوتھی شادی کی اور
خوش گوار زندگی بسر کی۔ انہوں نے نہایت ہی غربت و جز معاشی میں قناعت
کی زندگی بسر کی وہ بڑے ملنسار سیدھے سادے اور خلوص و محبت کے پیکر تھے
شعار اسلام کے پابند تھے ان کے تصوف کی بنیاد قرآن و حدیث تھے امجد کے
کلام میں تصوف و عرفان کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ انہوں نے دینی شاعری کے ذریعہ
انسانیت کا درس دیا ہے ان کی بعض نعتیں بھی زبان زد خاص و عام رہی ہیں
ان کی غزلوں میں بھی تصوف کارفرما ہے۔ نثری تصانیف میں بھی تزکیہ نفس

تعلیمات روحانی، معرفت، دنیا کی بے ثباتی، اور خدا اور رسول سے گہرے وابستگی کا اظہار ملتا ہے۔

امجد کی سوانح، شخصیت، شعری و نثری کارناموں کے طویل سرمایہ سے چیدہ چیدہ باتوں کو چن کر یہاں یکجا کر کے پیش کیا گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی کے پے در پے آزمائشوں میں ان کے پائے ثبات میں جنبش تک نہ ہوئی دینی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا اور قناعت بنا لیا تھا اسی لیے وہ ہمت کے پہاڑ تھے اپنے نصب العین کے لیے وہ مضبوط چٹان تھے

امجد کی تلمیحوں میں تنوع ملتا ہے۔ انہوں نے اپنے تلمیحات میں عالم ارواح سے لے کر حیات و دمدخ کے ذکر کے ساتھ حضرت نوحؑ حضرت داؤدؑ حضرت موسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ اس طرح انبیاء سابقین کے ذکر کے ساتھ خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے تاریخی اہم واقعات جیسے ہجرت، معراج، غزوہ احد، صحابہ کرام کے واقعات کے علاوہ، کولمبس ڈاروِن، شہاب ثاقب، فرعون، شیطان وغیرہ کی تلمیحات اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کی بعض آیتوں اور احادیث کو بھی بطور تلمیح استعمال کیا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ امجد نے دینی مزاج اور شخصیت کے اعتبار سے مذہبی

تلمیحات کا زیادہ استعمال کیا ہے۔ دیگر تلمیحات میں تاریخ جغرافیہ
فلسفہ و حکمت و سائنس شامل ہیں۔ ان کا کلام ان کے نصب العین کا غما
ہے تلمیحات کا انتخاب اور استعمال بھی اسی فکر کا عکاس ہے۔
تب ہی تو ان کی زبانی یہ رباعی نکلی جو آفاقی اہمیت اختیار کر چکی ہے۔

ہر چیز مسبب سبب سے مانگو
منت سے سماجت سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو
جب دے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

ان کا شعری اسلوب نہایت ہی عام فہم سادہ اور سلیس ہے
تلمیحات کو انہوں نے موقع اور محل کو مناسبت سے استعمال کیا ہے

233.A

کتابیات

نشان سلسلہ	مصنف کا نام	کتاب کا نام	مقام اشاعت	پبلشر	سنہ اشاعت
۱	امجد سید احمد حسین	رباعیات امجد حصہ اول	حیدرآباد	اعظم جاہی برقی پریس	سنہ 1365ھ
۲	〃	〃 حصہ دوم	〃	〃	سنہ 1365ھ
۳	〃	〃 حصہ سوم	〃	〃	سنہ 1365ھ
۴	〃	ریاض امجد حصہ اول	〃	عماد پریس	سنہ ۱۳۸۰ھ
۵	〃	ریاض امجد حصہ دوم	〃	〃	سنہ ۱۳۸۰ھ
۶	〃	ریاض امجد حصہ سوم	〃	〃	سنہ ۱۳۸۰ھ
۷	〃	خرقہ امجد	〃	عماد پریس	سنہ ۱۳۸۰ھ
۸	〃	نذر امجد	〃	فائن پرنٹنگ پریس	سنہ ۱۳۴۷ھ
۹	〃	حج امجد	〃	اعجاز پرنٹنگ پریس	سنہ ۱۳۷۹ھ
۱۰	〃	جمال امجد	〃	فائن پرنٹنگ پریس	سنہ 1964ء
۱۱	〃	میاں بیوی کی کہانی	〃	فائن پرنٹنگ پریس	سنہ 1964ء
۱۲	〃	حکایات امجد	〃	〃 〃	سنہ 1963ء
۱۳		گلستان امجد	〃	اعجاز پریس	سنہ 1961ء

نشان نمبر	مصنف کا نام	کتاب کا نام	مقام اشاعت	پبلشر	سنہ اشاعت
14	امجد سید احمد حسین	پیام امجد	حیدرآباد	فائن پرنٹنگ پریس	سنہ 1970ء
15	〃	ایوب کی کہانی	حیدرآباد	اعجاز مشین پریس	سنہ 1379ھ
16	〃	حسن بلال	〃	تاج پریس	سنہ 1962ء
17	اکبر الدین صدیقی	یادگار امجد	حیدرآباد	مطبع ابراہیمیہ نامپلی	سنہ 1961ء
18	ابوالاعلیٰ مودودی	خطبات جمعہ	دہلی	مرکزی مکتبہ اسلامی	سنہ 1980ء
19	ابوالاعلیٰ مودودی	تفہیم القرآن	دہلی	مرکزی مکتبہ اسلامی	سنہ 1981ء
20	الطاف حسین حالی	حیات سعد	دہلی	مکتبہ جامعہ	سنہ 1970ء
21	اسلوب احمد انصاری	ادب اور تنقید			سنہ 1968ء
22	آل احمد سرور	تنقیدی اشارے			سنہ 1969ء
23	احتشام حسین	تنقیدی نظریات			سنہ 1963ء
24	خواجہ حمید الدین شاہد	حکیم الشعراء حضرت امجد حیدرآبادی ایک نظارین	پاکستان	بہادر یار جنگ اکیڈمی	سنہ 1993ء
25	ڈاکٹر اسلام سندیلوی	تصوف اور اصغر گونڈوی	لکھنؤ	نسیم بک ڈپو	سنہ 1970ء
26	محمد سعید صاحب	تواریخ حبیب الٰہ	کلکتہ	مطبع مجیدیہ کانپور	سنہ 1960ء

نشان	مصنف کا نام	کتاب کا نام	مقام اشاعت	پبلشر	سنہ اشاعت
27	سلام سندیلوی	ادب کا تنقیدی مطالعہ	لکھنؤ	نسیم بک ڈپو	سنہ 1972ء
28	شبلی نعمانی	مقالات شبلی جلد پنجم	علی گڈھ	دارالمصنفین	سنہ 1955ء
29	شارب ردولوی	تنقید اصول اور نظریات	ر	ر	سنہ 1955ء
30	عبارت بریلوی	اردو تنقید کا ارتقاء			
31	مفتی محمد شفیع صاحب	معارف القرآن	نئی دہلی	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس	سنہ 1993ء
32	فصاحت جنگ جلیل	اردو کا عروض	حیدرآباد	مطبع اختر دکن	سنہ 1340ھ
33	حزیں فیروالدین صاحب	فیروز اللغات	دہلی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس	سنہ 1995ء
34	محمود نیازی	تلمیحات غالب	دہلی	غالب اکیڈمی	سنہ 1972ء
35	محمود نیازی	تلمیحات	لکھنؤ	نسیم بک ڈپو	سنہ 1972ء
36	وحیدالدین سلیم	افادات سلیم	دہلی	مکتبہ جامعہ	سنہ 1983ء

رسالہ

سب رس حیدرآباد

اخبارات

روزنامہ سیاست

روزنامہ منصف

روزنامہ رہنمائے دکن

DECLARATION

I hereby declare that the work embodied in this dissertation entitled "KALAM-E-AMJAD MEIN TALMEEHAAT" (Allusions in the poetry of Amjad) carried out by me under the supervision of DR. MIR MAHBOOB HUSSAIN, Reader, Department of Urdu, University of Hyderabad, is original and this has not been submitted for any degree either in part or in full to any other University or to this University.

(QAZI MOHD. ABDUL HAI)

HYDERABAD

DATED: 17-4-2000

DR. MIR MAHBOOB HUSSAIN
M..L.I.S(Madras), M.Phil, Pol.Sc(Osmania)
Ph.D Urdu (Hyderabad)
Reader in Urdu
University of Hyderabad

Hyderabad
Dated: 17-4-2000

CERTIFICATE

This is to certify that the dissertation entitled "KALAM-E-AMJAD MEIN TALMEEHAAT" (Allusions in the poetry of Amjad) submitted by QAZI MOHD. ABDUL HAI in fulfillment of the partial requirement for the award of the degree of MASTER OF PHILOSOPHY in Urdu, is original and that the work has been carried out under my supervision. The dissertation or any part thereof has not been submitted for any other degree at this University or any other University.

17/4/2000

(DR. MIR MAHBOOB HUSSAIN)
SUPERVISOR

17/4/2000

HEAD

Head, उर्दू विभाग
Department of Urdu
University of Hyderabad

University of Hyderabad
हैदराबाद-500 046
HYDERABAD-500 046

17/4/2000

Dean, School of Humanities
University of Hyderabad,
Hyderabad.

DEAN
SCHOOL OF HUMANITIES
University of Hyderabad.
Hyderabad-500 134

KALAM- E- AMJAD MEIN TALMEEHAAT
(Allusions in the poetry of Amjad)

D I S S E R T A Ι I O N

Submitted to the University of Hyderabad in partial fulfillment
of the requirements for the Award of the Degree of

MASTER OF PHILOSOPHY

IN

URDU

Submitted by

QAZI MOHD. ABDUL HAI
M.A(Urdu)Osmania

Supervised

By

DR. MIR MAHBOOB HUSSAIN
M.L.I.S(Madras); M.Phil.Pol. Sc.(Osm.)
Ph.D, Urdu (Hyderabad)
Reader in Urdu University of Hyderabad

DEPARTMENT OF URDU SCHOOL OF HUMANITIES
UNIVERSITY OF HYDERABAD
HYDERABAD - 500 046

2000